تحریکِ آزادیٔ ہند
اور
مجاہدینِ آزادی

مرتبِ اعلیٰ

پروفیسر عبدالغفار شکیل

ناشر

کرناٹک اردو اکادمی۔ بنگلور

مہاتما گاندھی جی

Published by :

Karnataka Urdu Academy

Bangalore

عقیدہ Creed ہے۔ وہ ایک سچے، کھرے، پکے اور کٹر مسلمان تھے۔ اپنے مذہب اور خدا پر ان کا ایمان و یقین اتنا زبردست تھا کہ وہ برطانوی سامراج کے ساتھ ساتھ سارے زمانے سے لڑنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ کہتے ہیں۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

آزادی کے لئے جہاد اور اسلام کی ترقی کی کوشش مولانا محمد علی جوہر کے لئے ایک ہی بات تھی اور وہ بہ یک وقت دونوں کو مولانا ابوالکلام آزاد کی طرح، ساتھ لے کر چلتے تھے۔ اس مقصد کے لئے وہ بڑی سے بڑی قربانی کو بھی معمولی بات سمجھتے تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ حق پر جتنا جتنا ظلم ہوتا ہے وہ اتنا ہی فروغ پاتا ہے، جب کہ ظالم اگر وقتی طور پر کامیاب بھی ہو جائے تو بالآخر نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اس مطلب کو ادا کرنے کے لئے انہوں نے شاعری میں کربلا کا استعارہ اس خوبی کے ساتھ استعمال کیا۔

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے۔
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اسی آفاقی تصور پر شاعر نے اپنی جان بھی دے دی، اس لئے کہ اس کا ہر فعل اس کے قول کے مطابق تھا۔ وہ اگرچہ آزادی سے قبل وفات پا گئے مگر کون کہہ سکتا ہے کہ آزادی میں ان کا خون کسی بڑے سے بڑے لیڈر سے ایک ذرہ بھی کم شامل ہے؟ مولانا محمد علی جوہر جیسے مجاہد اور شاعر دنیا میں زیادہ نہیں ہوئے ہیں۔ جوہر ایک انقلابی تھے اور ان کے کارناموں نے ایک تاریخ بنائی ہے۔

پروفیسر عبدالمغنی وائس چانسلر، یل، ین، متھلا یونیورسٹی، دربھنگہ (بہار) بشکریہ ہماری زبان ۔

(بہ شکریہ "انقلاب" بمبئی)

موہن داس کرم چند گاندھی

MOHANDAS KARAMCHAND GANDHI

پروفیسر محمد صبغۃ اللہ

مہاتما گاندھی گجرات (کاٹھیاواڑ) کے پوربندر (سدامپوری) شہر میں ۲/اکتوبر ۱۸۶۹ء کو پیدا ہوئے ذات کے بنیا تھے۔ ان کے دادا کاٹھیاواڑ کی مختلف ریاستوں میں دیوان رہے۔ لیکن گاندھی اپنے والد کا علم حاصل نہیں کر سکے۔ تجارت کو اپنا پیشہ تو بنایا، مگر بڑے فیاض، بہادر اور سچائی کے پرستار تھے۔ والدہ مذہب کی بڑی پرستار تھیں۔ روز کی پوجا پاٹ کے بغیر وہ کھانا نہیں کھاتی تھیں۔ ابتدائی تعلیم پوربندر میں حاصل کی پھر راجکوٹ میں تعلیم حاصل کر کے قانون کی تعلیم کیلئے انگلینڈ بھیج دئے گئے۔

ابھی آپ ہائی سکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے کہ ان کی شادی کر دی گئی۔ ماؤجی دیو جو ایک عالم اور دانشور برہمن تھے ان کے کہنے پر ان کی والدہ نے انہیں انگلینڈ بھیجنے کا قصد کر لیا اور چلتے وقت قسم کھا کر اقرار کر لیا کہ کبھی گوشت نہ کھاؤنگا اور نہ شراب پیونگا۔ ستمبر ۴/ ۱۸۸۸ء سمندری جہاز کے ذریعہ انگلستان روانہ ہوئے اور دس جون ۱۸۹۱ء بیرسٹری کی سند لیکر ۱۲/جون کو وطن لوٹے ہوئے۔ چند دن وطن میں بسر کر کے بمبئی اس لئے آگئے کہ وہاں ہائی کورٹ میں رہ کر تجربہ حاصل کیا جائے۔

گاندھی جی سارے دیش کو اپنا کنبہ سمجھتے تھے اسی لئے ان کو دیش پتا کہا جاتا ہے۔ اپنا باپو اپنا راشٹر پتا سمجھتے ہیں۔ سب سے پیارا باپو وہ قوم کے رہنما بھی تھے۔ اور آزادی کے لئے جدوجہد اور قربانی میں انہوں نے ہندوستان کی رہنمائی کی۔ صحیح معنوں میں وہ ایک محب وطن تھے۔ قوم کے سچے سپوت اور ہیرو جنہوں نے کمال ایمان داری، سوجھ بوجھ اور نڈرتا سے عمر بھر دیش کی خدمت کی۔ لوگوں میں آزادی، سچائی، قربانی، محبت اور حب الوطنی کی روح پھونکی۔ غلام ہندوستانیوں میں آزادی کی تحریک کو تیز سے تیز تر کر دیا۔ پھر کئی سال کے بعد ایک دن ہندوستان کو انگریزی سامراج سے آزاد کرایا۔

رواداری، محبت اور خدمت ان کے اصول رہے جنہیں وہ عمر بھر نبھاتے رہے۔

مہاتما گاندھی سادگی، عدم تشدد، سودیشی اور نیک نیتی کو اپنایا۔ ملک اور قوم کی رہنمائی کی آزادی کے لئے جو ملکی کارواں برسوں برس سینہ تانے آگے بڑھتا رہا، انگریزوں سے لڑتا رہا اس کے قائد گاندھی تھے۔ انہوں نے ہندوستانیوں کو سچائی، پریم کا راستہ ہی نہیں بتایا بلکہ رہبری کی۔ انہوں نے ہندوستانیوں کو آزادی دلائی اور نئے ہندوستان کی تعمیر کے لئے اشارے بھی دیے۔

ہندوستان میں آزادی کے لئے ہندوستانی عوام میں بڑی گرم جوشی تھی۔ گوکھلے نے گاندھی کو لکھا (بلکہ وہ آفریقہ میں تھے) آپ لندن کے راستے ہندوستان پہنچ جائیں۔ گاندھی جی لندن پہنچے تو ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ عظیم شروع ہو چکی تھی۔ ہندوستان آئے گوکھلے اور ٹیگور سے ملاقات کی۔ ۲۵ر مئی ۱۹۱۵ء کو گاندھی جی نے احمد آباد (گجرات) میں سابرمتی آشرم کھولا۔ اس نئی مہم میں سردار پٹیل بھی آپ کے ساتھی تھے۔ اس آشرم کے کارکنوں نے سچائی عدم تشدد پر پابند رہنے، کسی سے خوف نہ کھانے، اپنے اوپر قابو پانے، چھوت چھات کے خاتمے کے لئے جدوجہد کرنے، مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے اور کھادی اور دوسری سودیشی اشیاء کو استعمال کرنے کا عہد کیا بعد ازاں اس میں سے بیشتر اقوال انڈین نیشنل کانگریس نے بھی اپنائے۔

۱۹۱۷ء میں انہوں نے پہلی بار چمپارن کے مقام پر ستیہ گرہ کی مہم بہار میں شروع کی جس کے تحت وہاں کے یوروپین باشندوں کے تیل کے کھیتوں میں کام کرنے والے ہندوستانی مزدوروں کی تکالیف کو رفع کرنا تھا اور ان تکالیف کے خلاف احتجاج کرنا تھا۔ حکومت نے گاندھی جی کو وہاں سے فوراً چلے جانے کا حکم دیا انہوں نے یہ حکم ماننے سے انکار کیا جس پر انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن بعد میں گورنر نے بیچ بچاؤ کیا تو انہیں رہا کر دیا گیا۔ حکومت نے مزدوروں کو شکایت کے متعلق تحقیق کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا اور اس کمیشن کی سفارشات حکومت نے منظور کر لیں۔

جنگ عظیم میں گاندھی جی اور ان کے ساتھیوں نے انگریزوں کی مدد کی تھی۔ اس کا صلہ

انگریزوں نے یہ دیا کہ ۱۹۱۹ء میں رولٹ ایکٹ پاس کر دیا۔ گاندھی جی کو اس سے بڑا دکھ ہوا۔ چنانچہ وہ کھلے بندوں میدان میں اتر آئے اسی وجہ سے سارے بھارت میں ایک آگ سی پھیل گئی۔ جگہ جگہ ہڑتالیں ہوئیں۔ دہلی، لاہور اور امرتسر میں جلوس نکلے لوگوں پر گولیاں چلیں۔ بمبئی میں مہاتما گاندھی نے سول نافرمانی کی یہ دو صورتیں تجویز کیں کہ سمندر کے پانی سے نمک بنایا جائے اور ان کی دو ممنوعہ کتابیں "ہندو سوراجیہ" اور "سرودیا" فروخت کی جائیں۔ سول نافرمانی کا جرنیل بمبئی سے دہلی جا رہا تھا کہ پلون سٹیشن پر اسے گرفتار کر لیا گیا۔ اس سے سارے دیش میں ہیجان بپا ہو گیا۔ گاندھی جی کو بمبئی لے جا کر رہا کر دیا گیا۔ گاندھی جی نے دیکھا کہ سول نافرمانی کی تحریک غلط راستے پر چل نکلی ہے چنانچہ گاندھی جی نے سول نافرمانی کی تحریک واپس لے لی اس کے باوجود بے اطمینانی اور عام بیداری کا جذبہ بدرجہ اتم موجود رہا۔

پنجاب میں حکومت نے تشدد کے دروازے کھول دیے۔ امن کے نام پر جلیانوالہ باغ امرتسر میں ۱۹۱۹ء میں سینکڑوں بے گناہوں کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا گیا۔ آزادی کی روح کو کچلنے کے لئے معصوم طالب علموں کو کوڑوں کی سزا دی گئی۔ دھوپ میں سولہ سولہ میل پیدل چلنے کا حکم دیا گیا۔ عورتوں کو پیٹ کے بل زمین پر رینگنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ ان تمام مظالم نے گاندھی جی کے دل پر اثر کیا۔ انہوں نے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ آزادی کی جنگ جیتنے کے لئے سچے ستیہ گرہیوں کی فوج اور ینگ انڈیا میں نہایت مؤثر مضمون کا سلسلہ شروع کیا۔ بدیسی چیزوں کا استعمال کا بائیکاٹ اور کھادی کے پرچار نے گاندھی جی کی سرگرمیوں میں ایک نیا باب کھول دیا۔

پہلی جنگ عظیم میں ٹرکی نے جرمنی کا ساتھ دیا تھا۔ جنگ ختم ہوئی تو اتحادیوں نے (جن میں برطانیہ بھی شامل تھا) ٹرکی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے وہاں کی خلافت کو ختم کر دینا چاہا۔ ادھر ہندوستان میں مسلمانوں نے مولانا آزاد، محمد علی اور شوکت علی کی رہنمائی میں خلافت کاز کو مضبوط کرنے کے لئے تحریک چلائی۔ گاندھی جی نے اس تحریک کا پورا ساتھ دیا۔ اپنے خیالات کو

نوجوان اور ''ینگ انڈیا'' کے ذریعہ عوام تک پہنچایا ان کا ایمان تھا کہ مسئلہ خلافت میں ناانصافیوں اور مظالم کے خلاف احتجاج ہر ہندوستانی کا فرض ہے اور اس معاملے پر برطانوی حکومت کا ساتھ ہر طرح کا تعاون گناہ ہے گویا جس تحریک خلافت کی برطانیہ مخالفت کر رہا تھا گاندھی جی اپنی حق پرستی کی وجہ سے اس تحریک کے طرفدار بن گئے۔

ایسے تعاون سے مسلمان ساتھیوں کی آنکھوں میں روحانی مسرت اور دلی تسکین کے آنسو بھر آئے اور گاندھی اس وقت سے مہاتما گاندھی کہلانے لگے اور آخری دم تک مہاتما ہی بن کر رہے۔ ان کی بڑائی کا سبب یہی تھا کہ وہ سب انسانوں کو ایک سا جانتے تھے۔ ان کی نظر میں ہندوستانی مسلمانوں کا نقطۂ نظر بھی اتنی ہی قدر و اہمیت رکھتا تھا جتنا کسی اور فرقے یا جماعت کا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے تحریکِ خلافت جیسے مخلص کام میں دل و جان سے بھرپور تعاون کیا۔

۱۹۲۹ء سے مہاتما گاندھی نے بدیشی راج کے خلاف پورے زور سے لڑائی شروع کر دی۔ اس لڑائی کے لئے مہاتما جی نے اپنے دیش کو بہت اچھے ہتیار دیئے یعنی قربانی، اہنسا اور سودیشی چیزوں کا استعمال۔ ان کے اشارے پر ہزاروں لوگ جیل میں جانے کا انتظار کرتے تھے۔ ۱۹۳۱ء کے اندولن میں کم از کم ایک لاکھ آدمیوں اور عورتوں نے بدیسی سامراج کی جیلیں بھر دیں۔ کانگریس کے والینٹروں نے لاٹھیاں اور گولیاں کھائیں بلکہ گاندھی جی خود بھی کئی بار جیل گئے ہر مرتبہ جیل میں چرخہ کاتنے کے ساتھ ساتھ کوئی نہ کوئی نیا پروگرام سوچتے رہے۔ انگریز سرکار نے کوشش کی کہ اچھوتوں کو ہندوؤں سے جدا کر دیا جائے۔ اس پر گاندھی جی نے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔ آخر پونا میں اچھوت لیڈروں کا ایک جلسہ پنڈت مدن موہن مالویہ کی صدارت میں ہوا اس جلسے میں فیصلہ کیا گیا کہ ہندو اور اچھوت جدا نہیں ہوں گے۔

۱۹۳۹ء میں دنیا کی دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو مہاتما گاندھی کے حکم سے تمام کانگریسی وزارتوں نے کرسیاں خالی کر دیں کیونکہ گاندھی جی برطانیہ کی امداد صرف اس شرط پر کر سکتے تھے

جنگ کے بعد ہندوستان کو آزادی دیدی جائے وہ اس بات پر مطمئن نہیں تھے کہ محض وزارتیں حاصل کرنے سے ہماری آزادی کی مانگ ختم ہو جاتی ہے۔

۱۸ر اگست ۱۹۴۲ء کو بمبئی میں کانگریس کا تاریخی اجلاس ہوا جس میں انگریزوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ ہندوستان چھوڑ دیں بلکہ یہ نعرہ 'ہندوستان چھوڑ دو' Quit India پورے ملک میں گونجنے لگا۔ حکومت نے اس مطالبے سے جھنجھلا کر مہاتما گاندھی اور دوسرے کانگریسی لیڈروں کو نظر بند کر دیا۔ حکومت کے اس عمل سے سارے ہندوستان میں بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ گاندھی جی نے فروری ۱۹۴۳ء میں تین ہفتے برت رکھا جس سے تمام دنیا لرز گئی۔ وائسرائے کی کونسل کے تین ممبروں نے استعفیٰ بھی دے دیئے۔ آخر ۶ر مئی ۱۹۴۴ء کی صبح کو حکومت نے خرابی صحت کا سہارا لیکر انہیں رہا کر دیا۔ گاندھی جی نے آغاخاں کے محل سے باہر قدم رکھا تو ان کے ساتھ ماتا کستوربا نہیں تھیں کیونکہ وہ تو نظربندی کے دنوں میں انتقال کر چکی تھیں، ان کی سمادھی آج بھی آغاخاں محل میں بنی ہے۔ اب کستوربائی کی جگہ گاندھی جی کے ساتھ آزاد کی دیوی تھی۔ گاندھی جی جدھر جاتے تھے آزادی کی روشنی پھیلی ہوئی نظر آتی تھی عوام ان کے ساتھ تھے کیونکہ وہ عوام کے لئے آزادی حاصل کرنے کے لئے انگریزوں سے ہر طرح سے لوہا لے رہے تھے۔

جنوری ۱۹۴۷ء میں اچانک ہر طرف ہندو مسلم فساد شروع ہو گئے سب سے پہلے یہ وبا کلکتہ سے چلی وہاں گاندھی جی نے ایسا معجزہ دکھایا کہ دنیا حیران رہ گئی۔ چند گھنٹوں کے اندر اندر لڑنے والوں نے باپو کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور ایک دوسرے سے شیر و شکر ہو گئے وہاں سے گاندھی جی نواکھالی پہنچے جو فساد کی لپیٹ میں آگیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بہار بھی فساد کی لپیٹ میں آگیا تھا۔ گاندھی جی نے گاؤں گاؤں میں محبت کا پیغام پہنچایا اس طرح فرقہ وارانہ فساد گاندھی جی کی تلقین سے کم سے کم ہوتے گئے۔ اب تک انگریز بھی ہندوستان چھوڑنے پر مجبور ہو چکا تھا وائسرائے نے گاندھی جی کو دہلی بلایا اور صلاح و مشورے کے بعد ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دیا اس طرح گاندھی جی کی رہنمائی اور ان کی

سکیم سے ہندستان ایک دن آزاد ہو گیا اور گاندھی جی کی رہنمائی اور ان کی سکیم سے ہندوستان آزاد ہو گیا اور گاندھی جی نے اپنی زندگی ہی میں اپنے مشن کی تکمیل کر لی۔

۱۵ر اگست کو آزادی تو مل گئی لیکن فرقہ وارانہ فسادات پھر سے بھڑک اٹھے جس میں لاکھوں انسان قتل ہوئے ہزاروں عورتوں کی عصمتیں لٹیں، معصوم بچوں تک پر رحم نہ کیا گیا، سامان لٹ گئے، مکان جل گئے۔ گاندھی جی یہ سب کیونکر دیکھ سکتے تھے انہوں نے آزادی کی خوشی میں شریک ہونے سے انکار کر دیا اور دہلی سے باہر چلے گئے۔

فسادات کی آگ دہلی تک آ پہنچی تو مہاتما نے ۱۹۴۷ء میں برلا ہاؤس میں مرن برت رکھ لیا اس کا اثر یہ ہوا کہ ہندو مسلم اور سکھ نیتاؤں نے مہاتما جی کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا کہ آپ برت توڑ دیں ہم سب آپس میں صلح اور محبت سے رہیں گے۔ لوگوں نے گاندھی جی کو یہ لکھ کر اطمینان دلایا کہ ہم اپنی جان پر کھیل جائیں گے مگر دہلی میں جھگڑا نہیں ہونے دیں گے۔ چنانچہ گاندھی جی نے چھ دن کے بعد برت کھول دیا۔

بٹوارے کی مصیبتوں نے کئی لوگوں کی آنکھوں پر نفرت کی پٹی باندھ دی تھی۔ کئی لوگوں کو شکایت تھی کہ گاندھی جی کی پالیسی بھی کچھ خوش گوار ثابت نہیں ہو رہی ہے۔ بڑھتی نفرت اور شکایت نے آخر اپنا کام کر کے ہی دم لیا گاندھی جی ہر شام برلا ہاؤس کی پرارتھنا سبھا میں بھاشن کیا کرتے تھے اتفاق کی برکتیں بتاتے ہندو مسلم ایکتا پر زور دیا کرتے اور ہندوستان والوں کو بہترین شہری بننے کے اصول بتاتے۔ ۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء کی شام کو وہ پرارتھنا کے پلیٹ فارم کی طرف بڑھ رہے تھے پینتیس سالہ گمراہ نوجوان گوڈسے ان کے چرنوں کو چھونے کے بہانے جھکا پستول نکالا اور شانتی کے مہان دیوتا پر تین گولیاں چلا دیں۔ گاندھی جی ہے رام ہے رام کہتے ہوئے گر پڑے۔ آدھ گھنٹے کے بعد رام کا سچا بھگت اس دنیا سے چل بسا اس طرح ہندو مسلم اتحاد کی قیمت گاندھی جی نے اپنی جان سے چکائی لیکن عالم انسانی کے لئے اپنے پیغام

کے طور پر کارنامے چھوڑ گئے۔ اپنا فلسفہ حق و صداقت اور اپنی اخلاقی اقدار اپنے معاشرتی و سیاسی تبدیلی کے تصورات اپنی ناقابل شکست ہمت اور سادگی کی نسل بہ نسل چلنے والی داستان۔

ان کی شہادت سے ساری دنیا میں کہرام مچ گیا۔ گھر گھر صف ماتم بچھ گئی، درجنوں لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ بڑی بڑی ہستیوں نے گاندھی بابا کو کرشن بھگوان، مہاتما بدھ اور سقراط کا ثانی بتایا۔ حضرت عیسیٰ سے ملایا، شہیدوں کا سرتاج مانا، ہمالیہ پہاڑ کا سا مضبوط ارادہ اور گنگا کا سا شفاف، عملی دل رکھنے والے باپو کی موت نے دنیا کو یتیم کر دیا ان کی لاش کو جمنا کے کنارے آگ کی گود میں رکھا گیا۔ ان کی چتا کی راکھ کو ہندوستان بھر کے دریاؤں میں بہایا گیا۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے دس لاکھ آدمیوں کے سامنے مہاتما کی موت پر جو دردناک تقریر کی تھی اس کا ایک ایک لفظ تاریخ میں یادگار رہے گا۔

ڈاکٹر راجیندر پرساد

DR. RAJENDRA PRASAD

پروفیسر صبغۃ اللہ

راجیندر پرساد کی پیدائش ۳ر دسمبر ۱۸۸۴ء زیرادی ضلع سارن بہار میں انڈین نیشنل کانگریس کی تاسیس سے ایک سال قبل ہوئی۔ یوپی اور بہار کے کائستوں کے عام رواج کے مطابق راجیندر پرساد نے پانچ چھ سال کی عمر میں ایک مولوی صاحب سے فارسی سیکھی۔ پرانے مولوی صاحب کے چلے جانے پر ان کی جگہ نئے مولوی صاحب کو رکھا گیا جو ایک اچھے استاد تھے۔ دو سال کے عرصہ میں کریما، ممکما، خوشحال سیما، گلستان، بوستان وغیرہ پڑھے۔ بنیادی تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھیں چھاپرا کے انگریزی سکول میں داخل کرایا گیا جہاں انہوں نے ثانوی تعلیم مکمل کرلی ۱۳ سال کی عمر میں ان کی شادی کردی گئی جبکہ وہ پانچویں کلاس میں پڑھ رہے تھے۔ پریسیڈنسی کالج میں میرٹ پر داخلہ ملا جہاں قابل اساتذہ کی نگرانی میں بہترین تعلیم حاصل کی۔ بی اے کے بعد آنرز میں داخلہ لیا۔ بنگال کا یہ وہ دور تھا جبکہ نئی سیاسی بیداری کروٹ لے رہی تھی۔ ستیش چندر مکرجی کی انتھک کوششوں سے ۱۹۰۲ء میں ایک انجمن کی تاسیس ہوئی جسکا مقصد یہ تھا کہ نوجوانوں میں ایک سچی قومی ثقافت، موجودہ حالت سے واقفیت، انکے کردار کے بنانے میں امداد عطا کرنا اور ان کے من میں حب وطن کے جذبہ کو بیدار کرنا۔ یہ ڈان سوسائٹی تھی۔

ملک میں اصلاح کے نام پر لارڈ کرزن نے بنگال کی تقسیم کا اعلان کیا۔ یہ اعلان ایسا تھا کہ عوام پر بم کی طرح پھٹا اور احتجاجات شروع ہوئے۔ مخالف تقسیم اور سودیشی تحریک نے طلبہ کے ذہنوں کو کافی متاثر کیا۔ راجیندر پرساد ان جلسوں میں شریک ہوتے اسی دوران قانون کا امتحان پاس کیا۔ دو سال تک کلکتہ کی ایک کالج میں پروفیسری کرتے رہے اور قانون کی پریکٹس بھی اس میں انکی

رہنمائی خان بہادر شمس الہدیٰ کر رہے تھے۔

۱۹۰۵ء میں گوکھلے نے خدام ہندوستان سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس کا مقصد قومی مشنری کو ہندوستان کی خدمت کے لئے تربیت دے کر تیار کیا جاسکے۔ ان مقاصد نے راجیندر کو متاثر کیا۔ دوران قیام کلکتہ اس کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی رکنیت کے لئے گوکھلے کو درخواست دی۔

پٹنہ یونیورسٹی بل حکومت بہار اور اڑیسہ نے آرچھبن کی قیادت میں ایک کمیٹی قائم کی جس نے پٹنہ یونیورسٹی بل پیش کیا۔ عوام کی رائے جاننے کے لئے یہ بل شائع کی گئی۔ ہر طرف سے اس کی مخالفت میں صدا اٹھی اور اخبارات نے اس کے بارے میں سخت تنقید کی۔ احتجاج ہوئے جس کے نتیجہ میں ۲۹ر اپریل ۱۹۱۴ء میں یہ بل واپس لے لی گئی اس کی مخالفت میں راجیندر پرساد نے کافی اہم رول ادا کیا تھا۔

۱۹۱۶ء ہندوستانی قومیت میں ایک اہم تاریخ ہے۔ ہندو مسلم یکجہتی کے پیش نظر کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اپنے اپنے جلسے لکھنؤ میں رکھے۔ دونوں پارٹیوں نے ایک معاہدہ طے کیا جو عام طور سے کانگریس لیگ سکیم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس سکیم پر عمل کرتے ہوئے ہوم رول مومینٹ کی تحریک شروع کی گئی۔ ۱۹۱۵ء میں مہاتما گاندھی بھی واپس آئے اور پہلی مرتبہ انہوں نے کانگریس کے اجلاس میں شرکت کی۔ چمپارن کے مسئلہ پر غور کیا گیا جہاں کے کسان نیل اور افیم کی کاشت سے پریشان تھے۔ مہاتما گاندھی نے اس وقت تک تجویز کے بارے میں ہاں نہیں کی وہ چاہتے تھے کہ ان کا مشاہدہ وہ اپنے آنکھوں سے کریں وعدہ کے مطابق مقررہ دن وہ چمپارن میں داخل ہوئے۔ راجیندر ان کا انتظار کر رہے تھے۔ گاندھی جی ان سے بہت مہربانی سے پیش آئے۔ ان سے بات چیت کی اس سے کسانوں کو یقین ہوگیا کہ وہ ان کی درخواست کو سن کر کچھ نہ کچھ کریں گے۔ گاندھی جی جب تک چمپارن میں رہے۔ راجیندر ان کے ساتھ سایہ کی طرح رہے۔ انگریز حاکموں پر یہ بھی ثابت کردیا کہ نہ صرف وہ کسانوں کے لئے ضروری ہیں بلکہ حکام کے لئے بھی ان کی یہ کوشش رہی کہ دونوں فریقوں میں سہولیات ہوں۔ یہ طور طریقہ راجیندر پرساد جو ہمیشہ ان کے ساتھ رہتے تھے بہت پسند آیا۔

پہلی جیل یاترا

راجیندر پرساد لڑکپن سے ہی بیمار رہے۔ یوروپ کے سفر سے واپسی پر بھی ان کی طبیعت ناساز رہی۔ لیکن عوامی خدمت کا جذبہ ان میں بڑھتا گیا۔ یوروپ سے واپسی کے چند دنوں بعد بہار میں سیلاب امنڈ آیا جس سے لوگوں کو کافی جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ ایسے موقع پر راجیند نے اپنی صحت کی پرواہ کئے بغیر عوام کی خدمت کے لئے نکل پڑے ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ زلزلہ آیا جس سے بے حساب لوگوں کے گھر بار لٹ گئے۔ ان کی خدمت ہی اولین فرض جان کر ان لوگوں کو جو ناامیدی اور مایوسی میں گھر چکے تھے۔ ان کی مالی امداد کے لئے چندا اکٹھا کرنا شروع کیا۔ نہرو سبھاش چندر بوس وغیرہ کی مدد ملی۔ زلزلہ کی وجہ سے آنے والی تباہی کے باعث جن لوگوں نے گھر بار کھودئے تھے ان کی باز آبادکاری کا کام کیا اور کامیاب رہے۔ ۱۹۳۰ء میں پٹنہ مہم جب زور پکڑی تو پہلی مرتبہ راجیندر کو حراست میں لیکر ہزاری باغ جیل بھیج دیا گیا۔ سیاسی قیدیوں کو جیل میں اتنی مشقت نہیں اٹھانی پڑتی تھی۔ ساری سہولیات ہونے کے باوجود راجیندر نے عام قیدیوں کی طرح جیل کاٹی۔ دوسرے قیدیوں سے دوستانہ تعلقات بنائے رکھا۔ انہیں بار بار جیل جانے کے مواقع آئے ۱۹۳۳ء کی تحریک میں مسلسل ۱۵ ماہ کی قید سے وہ بیمار رہے۔ ۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑو تحریک میں گاندھی جی کے ساتھ انہیں گرفتار کیا گیا۔ جیل میں بیماری کے باعث کئی کئی گھنٹوں تک بے ہوش پڑے رہے۔ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود گاندھی جی کی طرح وہ ایک مہذب شخص بن کر ہی جیل سے آئے۔

کانگریس اجلاس کے صدر

راجیندر پرساد ایک مخلص کارکن تھے عہدوں کے لئے، پیسوں کے لئے کبھی حرص و ہوس نہیں کی۔ اس کے باوجود عزت اور اعلیٰ عہدے خود انہیں ڈھونڈتے چلے آئے۔ قبل آزادی انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس میں انہیں متفقہ طور پر صدر بنایا گیا۔ ۱۹۳۴ء میں پہلی مرتبہ بمبئی کے اجلاس کی صدارت کی۔ جب بہار واپس لوٹنے کا وقت آیا تو وہ سخت بیمار ہوگئے۔ دوسرا اجلاس

۱۹۳۹ء میں ترپوری میں منعقد ہوا اس اجلاس کی صدارت بھی انھیں کرنی پڑی۔ عارضی حکومت بنانے کا موقع آیا انہیں بہار کے وزیر بننے کا موقع تھا لیکن وزیر بننے سے انکار کیا۔ انہوں نے یہ ثابت کیا کہ خدمت خلق کے لئے کوئی عہدہ یا وزارت کی ضرورت نہیں اس کے بغیر بھی یہ خدمت کی جاسکتی ہے۔ تیسری بار جب وہ صدارت کے عہدہ پر آنے والے تھے بھارت کو آزادی مل چکی تھی۔ ملک میں قومی یکجہتی اور ملک کو متحد رکھنے کا کام گاندھی جی نے انہیں سونپا۔ اپنی بیماری کے باوجود اس کام کو اچھی طرح نبھایا اور کامیاب رہے۔

جلیان والا باغ کے حادثہ کے بعد

پہلی جنگ عظیم شروع ہونے والی تھی۔ ستیہ گرہ زوروں پر تھی۔ انگریزی حکومت ہندوستانی سپاہیوں کو جنگ میں استعمال کرنا چاہتی تھی۔ جنگ کے بعد آزادی کا وعدہ بھی کیا۔ لیکن جنگ کے بعد وہ اپنے وعدہ سے مکر گئی اس اقدام سے ہندوستانی بہت برہم ہوئے۔ اسی متعلق سوچ بچار کرنے کے لئے جلیان والا باغ میں جمع ہوئے تو پولس نے انہیں گھیرے میں لے کر ان پر اندھا دھند گولیاں چلائیں جس میں ہزاروں لوگ شہید ہوئے۔ ایسا خوفناک اقدام پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ گاندھی جی بھی اب سختی پر اتر آئے سارے ہندوستان میں احتجاجات اور ہڑتالوں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ اس مہم میں طلبہ نے بھی حصہ لیا۔ راجیندر بھی اس مہم میں اچانک کود پڑے سارے ہندوستان میں سب کے دلوں میں حب وطن اور آزادی کی محبت کو جگانے کی کوشش کی۔ "انگریزو بھارت چھوڑو" یہ نعرہ ہر جگہ سنائی دینے لگا۔ اسی کو کوئٹ انڈیا تحریک کہتے ہیں۔ اس تحریک میں بھی انہوں نے اہم رول ادا کیا۔ انگریزوں نے ہندوستانی لیڈروں کو جیلوں میں بند کردیا۔ جیل میں انہوں نے " انڈیا ڈیوائیڈڈ" نامی کتاب لکھی۔

رہائی کے بعد کانگریس کو عارضی حکومت بنانے کا موقع ملا ۲۴ر اگست ۱۹۴۶ء میں عارضی حکومت تشکیل پائی۔ اس میں راجیندر کو وزیر غذا اور وزیر زراعت بنایا گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاکر انہوں نے کم خرچ میں زیادہ پیداوار حاصل کرنے کے طریقوں پر عوام کو معلومات فراہم کیں۔

ہندو مسلم فسادات

ہندوستان میں ہندو مسلمان شیر وشکر کی طرح رہتے ہیں اس زمانے میں جناح مسلمانوں کے قائد مانے جاتے تھے گاندھی جی کے ساتھ اچھے تعلقات بھی تھے انگریزوں کے فریب میں آکر انہوں نے اپنی الگ پارٹی مسلم لیگ قائم کی اور تقسیم کی بات چلائی۔ کانگریسی لیڈروں نے لاکھ سمجھانے کی کوشش کی لیکن جناح اپنی بات پر اڑے رہے۔ رفتہ رفتہ فضا بگڑنے لگی فسادات ہونے لگے۔ قتل وغارتگری میں دونوں فرقوں کے ہزاروں لوگ مارے گئے گھربار لٹ گئے۔ ایسے موقع پر راجیندر نے اپنی بساط بھر کوششوں سے فسادزدہ علاقوں میں شانتی دوت بن کر پہنچے۔ ہندو اور مسلمان دونوں کو سمجھایا کہ آپسی اختلافات کو ختم کرکے پہلے کی طرح اتفاق واتحاد سے رہیں۔ لیکن وہ حالات لوٹ کر نہیں آئے۔ قائدین کی کوششوں سے فسادات تو رک گئے لیکن تقسیم ہند کی بات جاری رہی۔ بالآخر ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو انگریزوں نے اس ملک کی تقسیم کا اعلان کیا اور پاکستان وجود میں آیا۔

آزاد ہند کے پہلے وزیر اعظم پنڈت نہرو چنے گئے۔ راجیندر پرساد کو ان کی کابینہ میں وزارت زراعت اور غذا کا قلمدان سونپا گیا۔ انتظامی امور کے لئے بھارت کو آئین کی ضرورت پیش آئی۔ یہ کام وزیر قانون ڈاکٹر امبیڈکر کو سونپا گیا۔ انہوں نے راجیندر پرساد جیسے تجربہ کار اور دوسرے اہم لوگوں کو ساتھ میں لیکر آئین کی تشکیل کی۔ راجیندر ایک تجربہ کار وکیل بھی تھے اور امبیڈکر سے عمر میں بڑے بھی تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس کام میں ان کا پورا ساتھ دیا۔

گاندھی جی کی شہادت پر

۲۹/ جنوری ۱۹۴۸ء وزیر راجیندر پرساد اپنی بیماری کے باوجود گاندھی سے ملے بات چیت کی اور اپنے پروگرام کے مطابق مہاراشٹر کے واردھا کو ہوائی جہاز میں چلے گئے۔ ۳۰/ جنوری ۱۹۴۸ء گاندھی جی اپنے لائحہ عمل کو ختم کرنے کے بعد اپنے ساتھیوں کے ساتھ شام کے وقت عبادت گاہ کی طرف چلے۔ داخل ہوتے وقت ایک فرقہ پرست ہندوستانی ناتھورام گوڈسے نے ان کے سینے میں گولیاں داغ دیں وہ "ہے رام"

کہتے ہوئے گر پڑے۔ جب یہ خبر مہاراشٹر میں راجیندر کو معلوم ہوئی تو وہ بہت غمگین ہوئے۔ واردھا میں اپنے سارے کام ملتوی کرکے دلی واپس لوٹ آئے گاندھی جی کی لاش کو نذر آتش کیا گیا تو لاکھوں کا مجمع جمع تھا۔ راجیندر اپنے قریبی رشتہ داروں کی موت پر بھی شاید اتنا نہ روئیں ہونگے جتنا گاندھی جی کو جلاتے وقت روئے۔ لیکن یہ سوچ کر کہ شاید ان کے رونے سے ان کی آتما کو دکھ پہنچے گا، اپنے غم پر قابو پالیا۔

جمہوریہ ہند کے پہلے صدر

ڈاکٹر امبیڈکر کی قیادت میں آئین ہند کا کام ختم ہوا۔ ۲۶/ جنوری ۱۹۵۰ء کو دستور عمل میں آیا۔ یوم جمہوریہ کی تقریب قومی تہوار کے روپ میں سارے دیش میں منانے کی تیاریاں زور وشور سے ہونے لگیں۔ راجیندر پرساد کو نئے دستور کے مطابق صدر ہند کی حیثیت سے چنا گیا۔ بڑی شان وشوکت کے ساتھ انھیں راشٹرپتی بھون لایا گیا۔ اس عمارت میں تقریباً ۳۰۰ کمرے، اطراف واکناف میں سرسبز وشاداب باغیچے نوکر چاکر اور سواریوں کی کوئی کمی نہیں، نئے صدر نے ان سب کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ اپنے کنبہ کے لئے جتنی ضرورت تھی اتنے ہی کمرے اپنے استعمال میں رکھے باقی سارے کمرے دفتر اور عملہ کے لوگوں کو دے دیا۔ ان کی تنخواہ دس ہزار روپیہ تھی لیکن وہ صرف ۱۵۰۰ روپئے لیا کرتے۔ ۱۹۶۰ء میں ان کی پیاری بہن بھگوتی دیوی کا انتقال ہوگیا جس سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی اور انہوں نے اپنی مرضی سے راشٹرپتی کے عہدہ کو استعفی دیدیا اور صداقت آشرم میں رہنے لگے۔ ایک سال جوں توں گزارا لیکن بیماری بڑھتی گئی۔ ان کے ڈاکٹروں نے بہتیرا علاج کیا۔ آخرکار ۲۵/ فروری ۱۹۶۳ء رات کے ساڑھے دس بجے انہوں نے آخری سانس لی۔ آشرم کے آم کے باغیچہ میں ان کی لاش عوام کے دیدار کے لئے رکھی گئی۔ پٹنہ کے مشرق میں صداقت آشرم سے ۱۳ کیلو میٹر دور ولش گھاٹ میں ان کے آخری رسومات ادا کئیں۔ ان کے اس آخری سفر میں رادھا کرشنن، لال بہادر شاستری وغیرہ لوگوں نے حصہ لیا۔ آخری وقت تک انہیں سیدھی سادی زندگی پسند تھی اسلئے لوگ انہیں جنکراج اور دھرم رایا کہا کرتے تھے۔

پنڈت جواہر لال نہرو

PANDIT JAWAHARLAL NEHRU

پروفیسر صبغۃ اللہ

موتی لال نہرو الہ آباد کے دولت مند وکیلوں میں تھے۔ ان کے گھر جواہر لال کی پیدائش ۱۴ر نومبر کو ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر پر منشی مبارک علی کے ذریعہ شروع ہوئی وہ ننھے جواہر لال کو کندھے پر سوار کرکے سیر کو لے جایا کرتے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے قصے سناتے۔ جواہر کی زندگی کو ایک خاص رنگ عطا کرنے والے منشی مبارک علی تھے۔ ۱۹۰۵ء میں جبکہ وہ پندرہ سال کے تھے انگلستان بھیج دیئے گئے۔ ۱۹۱۰ء میں کیمبرج سے ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۱۲ء میں وکالت کی سند حاصل کرکے بیرسٹر بن گئے۔ تعلیم ختم کرکے ہندوستان لوٹے تو سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کیا۔ ان کے سامنے آزادی کامل کا مقصد تھا۔ کانگریس کے پروگراموں میں دلچسپی لینے کی امنگ پیدا ہوئی۔ ساتھ ہی الہ آباد ہائی کورٹ میں وکالت کا کام بھی شروع کیا۔ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ کانگریس کے اجلاس میں گاندھی جی سے ملاقات ہوئی انہوں نے گاندھی جی کی پالیسی پر چلنے کا دل میں عہد کرلیا۔ ۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن کے خلاف پورے ملک میں جو احتجاجی مظاہرے ہورہے تھے۔ جواہر لال نے اس میں سرگرم حصہ لیا اور مقبولیت وکامیابی کی بلندیوں تک پہنچے اب وہ صرف صوبجات متحدہ کے قائد نہیں تھے بلکہ پورے ہندوستان میں ان کا ڈنکا بج رہا تھا اور وہ اپنی نسل کے پیشوا مان لئے گئے۔

کانگریس نے نہرو رپورٹ کو اتفاق رائے سے منظور کرلیا اور ایک سال میں ڈومنین اسٹیٹس نہ ملنے کی صورت میں (جو یقیناً ملنے والا نہیں تھا) طے پایا کہ کانگریس پھر کامل آزدی کے حصول کی جدوجہد، عدم تعاون کی تحریک شروع کردے گی۔ جواہر کانگریس کے جنرل سکریٹری کے فرائض انجام دینے میں منہمک ہوگئے۔ کانگریسی رضاکار دستوں، ہندوستانی سیوادل، یوتھ لیگس اور طالب علموں کی

تنظیموں پر بھی توجہ کی۔ وہ چاہتے تھے کہ ایسے بے لوث نوجوان مرد اور عورتیں آگے آئیں جو کسانوں، مزدوروں کو منظم کریں اور آنے والے جدوجہد کے لئے عوامی شعور پیدا کریں۔

اسی زمانے میں جواہر لال کو گاندھی جی اور اپنے والد کے اصرار پر کانگریس کی صدارت قبول کرنی پڑی۔ سب یہی چاہتے تھے کہ گاندھی جی کو صدر بنایا جائے۔ مگر انہوں نے کسی صورت میں قبول نہیں کیا اور آخری لمحہ میں خود جواہر لال کا نام پیش کیا۔ گاندھی جی چاہتے تھے کہ اب نوجوان نسل کی رہنمائی انہیں میں ایک کو سونپی جائے اور اس طرح ۲۹ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو AICC نے لاہور کے اجلاس کی صدارت کے لئے جواہر لال کو منتخب کرلیا۔

ہندوستان کے دو اہم ترین مسائل اقلیتوں اور ریاستوں کے بارے میں جواہر لال نے چونکا دینے والی بات نہیں کہی تھی۔ اقلیتوں کو ان کی تہذیب اور روایات کے تحفظ کا تیقن دلایا اور شاہزادوں، نواب زادوں کو جو ایک فاسد نظام کے پروردہ تھے بہر کیف ختم کرنے کی بات کی۔ لیکن کسان اور مزدور کے مسئلے کے تعلق سے جواہر واضح طور پر کہا تھا کہ کانگریس کو طبقاتی استحصال کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھانا ہوگا۔

۱۶ر اپریل گاندھی جی نے ڈانڈی کے ساحل پر نمک بنایا اور جواہر لال نے پورے ملک میں سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز کیا۔ ۹ر اپریل کو جواہر نے ممنوعہ نمک کے پیکٹ نیلام کئے اور اس کے دوسرے دن جواہر اور ان کی بیوی نے ایک بڑے جلوس کی قیادت کی۔ ۱۴ر اپریل کو الہ آباد سے چند فاصلے پر چوکی میں جواہر کو گرفتار کرلیا گیا اور نمک سازی کے قانون کے تحت جیل کے اندر ہی مقدمہ چلایا گیا اور ۶ مہینے کی سزا دی گئی۔ نینی تال میں قید کردیا گیا۔ خصوصی برتاؤ اور رعایتوں کو قبول کرنے سے انکار کے بنا پر جواہر کو اکثر بھوکا رہنا پڑا لیکن اس سے زیادہ تکلیف دہ تنہائی کی بوریت تھی۔

۱۱ر اکتوبر کو ان کی جیل کی مدت ختم ہوگئی۔ رہا ہوتے ہی کانگریس کے صدارتی کاموں میں مصروف ہوگئے۔ ابھی دس بارہ دن ہی گزرے تھے کہ پھر گرفتار کرلئے گئے۔ اس دفعہ ان پر بغاوت،

عدول حکمی اور قانون نمک سازی کے تحت کئی الزامات لگائے گئے۔ دو سال کی سخت سزا ہوئی۔ جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں مزید چھ ماہ۔

جنوری میں جواہر کلکتہ گئے۔ پندرہ دن کے قیام کے دوران انہوں نے سامراجیت کے ابتدال اس کے اوچھے پن کمینگی اور ظلم و جبر پر دل کھول کر تقریریں کیں۔ ۱۲ر فروری کو الہ آباد میں ان کو بغاوت کے الزام میں گرفتار کر کے کلکتہ لایا گیا۔ ۱۶ر فروری کو دو سال کی طویل سزا کا حکم سنایا گیا۔ کلکتہ سنٹرل جیل کی حالت بہت خراب تھی حکومت بنگال نے ان کو لکھنے پڑھنے کی اجازت بھی نہیں دی۔ بعد میں کچھ سختیاں کم ہو گئیں۔ لیکن علی پور جیل میں جواہر بہت غیر مطمئن رہے۔ مئی کے اوائل میں انہیں دہرہ دون کی مانوس جیل میں منتقل کیا گیا تو انہیں خوشی ہوئی اس زمانے میں باہر سے جو خبریں جواہر کو ملتی رہیں وہ مایوس کن تھیں اپنی ماں اور بیوی کی خرابیء صحت سے وہ پریشان رہے۔ سیاسی خبریں حوصلہ افزا نہیں تھیں۔ گاندھی جی کی سول نافرمانی کی تحریک بند کئے جانے کے اعلان سے جواہر کو پھر بے حد کوفت ہوئی۔

اگست میں جب کملا نہرو کی حالت بہت نازک ہو گئی تو یوپی حکومت نے چند روز کے لئے جواہر کو رہا کیا۔ کملا نہرو کی طبیعت ذرا سنبھلی تو گیارہ دن بعد جواہر کو پھر جیل بھیج دیا اب وہ نینی تال میں تھے۔ ہفتے میں دو دن کملا سے ملنے کی اجازت تھی۔ جب اکتوبر میں کملا کو ایک سینی ٹوریم بھوالی جانا پڑا تو جواہر کو الموڑہ جیل منتقل کیا گیا۔ بیوی کی بیماری نے ان کی تمام دوسری سرگرمیوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ وقت کے ساتھ کملا سے ان کی شروع کی بے پرواہی ایک بہت گہرے قلبی لگاؤ میں بدل گئی۔ جیل میں اکثر وہ ان ہی کے خیال میں خاموش بیٹھے رہتے۔ ان کے خطوط اور ان سے ملاقات کا انتظار کرتے رہتے۔ ''اس کو دیکھ کر میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ میں ان کو بے حد پیار کرتا ہوں'' یہ ان کی ڈائری کے الفاظ ہیں۔ اپنی چہیتی بیوی کو بستر مرگ پر دیکھ کر وہ گھبرا گئے اور ان کی مستقل جدائی کے خیال سے تڑپ اٹھے اور محض اس جانکاہ تصور کو ذہن سے نکالنے کی کوشش میں انہوں نے اپنی سوانح عمری لکھنا شروع کی جو ان کا سب سے بڑا ادبی شاہکار ہے صرف نو مہینوں سے بھی کم

عرصہ میں ۹۷۶ صفحات کی ایک ضخیم کتاب تخلیق پائی۔ بھوالی کے قیام سے بھی کملا کے مرض میں کوئی افاقہ نہ ہوا تو ڈاکٹروں نے انہیں یورپ لے جانے کا مشورہ دیا۔ مئی کے مہینے میں کملا اپنی بیٹی اندرا اور ایک ڈاکٹر کے ساتھ یورپ کے لئے روانہ ہو گئے۔ ستمبر ۱۹۳۵ء میں ڈاکٹر نے جواہر اور حکومت دونوں کو اطلاع دی کہ کملا کی حالت بہت نازک ہے۔ جواہر کو رہا کیا گیا تاکہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ملنے جا سکیں۔ جواہر الموڑہ سے الہ آباد آئے اور ہوائی جہاز سے یورپ روانہ ہو گئے۔ کملا جرمنی کے بلیک فارسٹ کے ایک کلینک بیڈن ویلر میں تھیں ان کی صحت اور بھی گر گئی تھی۔

دوسری عالم گیر جنگ شروع ہوئی تو اس وقت جواہر لال چین کے دورے پر تھے۔ ۹ر ستمبر کو ہندوستان پہنچے تو معلوم ہوا کہ جنگ کے تعلق سے گاندھی جی کا فوری رد عمل تشدد سے قطع نظر برطانیہ کی حمایت کی جانب تھا۔ کانگریس کے رویہ کا انحصار جواہر پر تھا یہ فیصلہ ہندوستانی عوام کو کرنا تھا کہ آیا ہندوستان جنگ میں حصہ لے گا یا نہیں لیکن وائسرائے نے پہلے کی طرح اس جنگ میں بھی منتخب نمائندوں سے صلاح کئے بغیر ہندوستان کو زبردستی جنگ میں دھکیل دیا تھا۔ ہندوستانی عوام برطانیہ کی مشکلات سے ناجائز فائدہ اٹھانے یا سودا بازی کے خواہاں نہیں تھے۔ وہ صرف ہندوستان کو آزاد اور باوقار دیکھنا چاہتے تھے۔ کانگریس کی مجلس عاملہ نے حکومت برطانیہ کی پالیسی کی مذمت کرتے ہوئے اس طرز کی ایک قرارداد منظور کی۔ لیکن وائسرائے نے طے کر لیا تھا کہ موجودہ حالات میں نہ تو ان کے لئے دستوری طریقے پر عمل کرنا چاہتے تھے۔ اور نہ ہی ہندوستانی عوام کا تعاون۔ نازک صورت حال میں کانگریس سے زیادہ مسلم لیگ کو اہمیت دی جاتی تھی۔ وائسرائے تک یہ بات پہنچائی کہ اگر وہ قطعی طور اتنا اعلان کر دیں کہ جنگ ختم ہونے پر ہندوستان کو آزادی دے دی جائے گی تو کانگریس مطمئن ہو جائے گی مگر برطانوی حکومت اپنے جنگی مقاصد اور ہندوستان کی آزادی کے تعلق سے کوئی اعلان کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن انگریز حکومت نے اس مطالبے کو ٹھکرا دیا۔ وہ حکومت کی باگ ڈور کسی بھی صورت میں ہندوستانیوں کو دینا نہیں چاہتی تھیں۔ چند نمائندہ ہندوستانیوں کو مجلس عاملہ میں شامل کرنے اور جنگی

مشاورتی کونسل کے قیام کی پیش کش کی اور یہ کہا گیا کہ ہندوستان کی قومی زندگی کے خصوصی عناصر کی نمائندہ ہوگی اور یہ عناصر مشتمل ہوں گے۔ جاگیرداروں، نوابوں اور برطانوی تجارتی مفادات کے شرکائے کار پر اور اس جماعت کے ہر فیصلہ پر ہندوستان بھی برطانوی معاہدات کی تکمیل کا پابند ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کانگریس کے لئے عدم تعاون ضروری تھا کانگریس نے گاندھی جی کی رہنمائی کو قبول کرلیا اور بالآخر انفرادی ستیہ گرہ کا اعلان کردیا گیا۔ حکومت نے کانگریس لیڈروں کو گرفتار کرنا شروع کیا۔ ۳۰ر اکتوبر کو الہ آباد واپس ہورہے تھے کہ چوکی اسٹیشن پر انہیں گرفتار کیا گیا۔ گورکھپور میں مقدمہ چلایا گیا ضلع میجسٹریٹ نے نہرو کو جس قسم کی چار سال کی سزائے قید سنائی اس بربریت پر وہائٹ ہال اور نئی دلی کو ہی حیرت نہیں ہوئی سر موارلیس ہیلٹ لکھنؤ کے گورنر بھی پریشان ہوگئے۔ ایک ہفتہ گورکھپور جیل میں رکھنے کے بعد انہیں دہرہ دون جیل منتقل کردیا گیا۔ رہائی سے پہلے ایک سال تک وہیں رہے۔ ۱۹۴۱ء میں ایک ہفتہ لکھنؤ جیل میں گزرا۔ ۴ر دسمبر کو جواہر کو رہا کردیا گیا۔

جنگ ہندوستان سے اب بہت قریب آگئی تھی جاپانی فوجیں ہندوستان کے دروازوں تک پہنچ گئی تھیں روزولٹ سمجھ رہے تھے کہ ہندوستان بس اب ہاتھ سے گیا۔ چرچل نے شاہ انگلینڈ کو خبردار کیا کہ برما، سیلون، کلکتہ اور آسٹریلیا کے کچھ حصوں پر دشمنوں کا قبضہ تھا۔ جواہر نے بھی محسوس کیا کہ بہت جلد حکومت برطانیہ کا ہندوستان میں خاتمہ ہونے والا ہے۔ کرپس ہندوستانی رہنمائی سے ان تجاویز کو منوانے آئے۔ ان کو اپنی ترغیبی صلاحیت اور ہندوستان کی آزادی کے مقصد سے واقعی تعلق خاطر پر ناز تھا اور یقین تھا کہ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہوجائیں گے لیکن سوائے ناکامی کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔

جون ۱۹۴۵ء جنگ ختم ہونے کے بعد جواہر اور ان کے ساتھی جیل سے باہر آئے ان کے جذبات میں تلخی تھی۔ ہندوستان میں تقریباً تین سال تک ایک قومی حکومت رہی ان کے رفقائے کار شاہ پرستوں، فرقہ پرستوں اور بائیں بازو نے بھی فوجی حکومت اور قومی تحریک کے نام پر کافی فائدے اٹھائے۔ بنگال میں قحط پڑا۔ لاکھوں انسان بھوکے مرگئے پورا ملک بدعنوانیوں، ظلم وجبر اور کالے

دھندے کی گرفت میں تھا، لوٹ مار، بلیک مارکیٹنگ ملک کو تباہ کررہے تھے۔ یہ دیکھ کر جواہر کو بڑی کوفت ہوئی غصہ بھی آیا۔ لارڈ ویول نے شملہ میں ایک عبوری حکومت کی تشکیل پر غور وخوص اور مشورے کے لئے ایک میٹنگ طلب کی جواہر لعل کو اس میں مدعو نہیں کیا گیا۔

پھر کیبنیٹ مشن ہندوستان آیا۔ مشن منصوبے پر بحث ومباحثہ جاری رہا۔ ۲۹ر جون کو یہ مشن ہندوستان سے لوٹ گیا۔ مشن کی تجاویز کے پیش نظر فریقین کی رضامندی کی بنیاد پر ایک عارضی حکومت کی تشکیل کے تعلق سے مزید بات چیت کا کام وائسرائے کے سپرد کیا گیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد جواہر لال کی جگہ کانگریس کے صدر منتخب ہوئے۔ نئے صدر نے AICC کا ایک اجلاس بمبئی میں طلب کیا اور حکومت برطانیہ کے ساتھ کانگریسی قائدین کی بات چیت اور طرز عمل رہا تھا اس کی توثیق کرلی۔ وائسرائے نے کانگریسی صدر کی حیثیت سے جواہر کو عارضی حکومت کی تشکیل کے تجاویز بھیجنے کی دعوت دی۔ نئی حکومت میں ۱۵ر اراکین شامل تھے، پانچ ہندو، پانچ مسلمان، ایک شیڈول کاسٹ اور چار اقلیتی نمائندے ویول ۱۴ر ارکان پر مصر تھے۔ اس لئے اینگلوانڈین نمائندے کو خارج کردیا۔

۲۴ر مارچ ۱۹۴۷ء کو مونٹ بیٹن نے وائسرائے کا حلف اٹھایا۔ چند ہفتوں میں صلاح ومشوروں اور کابنی مشن کے منصوبے میں جان ڈالنے کی کوشش میں مصروف رہے۔ پاکستان کی تخلیق کے تعلق سے کانگریس کے دو ارکان گاندھی جی اور عبدالغفار خاں نے تقسیم ہند کے خلاف آواز اٹھائی۔ مونٹ بیٹن نے اس خیال پر غور کرنے سے انکار کیا۔ اقتدار کی منتقلی اور تقسیم کے عمل میں جو دوسرے مسائل پیدا ہوئے ان سے علاحدہ علاحدہ حتی الامکان پرامن طریقے سے نمٹنے کی کوشش کی گئی۔ آزادی کا ایکٹ پاس ہوا تو مونٹ بیٹن نے فی الفور کابینہ کو تقسیم کردیا۔ کانگریس کے سامنے ہندوستانی ریاستوں کا رویہ دوسری بڑی مشکل تھی۔ حوصلہ افزائی پر اکثر والیان ریاست نے علانیہ خود مختاری کی تیاریاں شروع کردیں۔ پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ کی پالیسی یکسر "مارو اور بھاگو" کی پالیسی تھی وہ ہندوستان کے اتحاد کو توڑنا چاہتے تھے اور پیچھے کے راستے سے ملک میں نراج پھیلانا

چاہتے تھے۔ جواہر یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے بڑی آزمائش نہرو کے لئے کشمیر کا مسئلہ تھا۔ وہ کشمیر نہیں گئے۔ ان کے بجائے گاندھی جی اور مونٹ بیٹن کشمیر گئے۔ لیکن مہاراجہ کشمیر ہندوستان یا پاکستان سے الحاق کے تصفیہ کو کسی نہ کسی طرح ٹال جانے میں کامیاب رہے۔

۱۴ر اور ۱۵ر اگست ۱۹۴۷ء کی درمیانی ٹھیک بارہ بجے آزادی کا اعلان ہوا۔ آزادی کی صبح طلوع ہوئی تو یونین جیک کی جگہ ہندوستانی ترنگا لہرانے لگا۔ جواہر لال نے اس موقع پر نہایت پر اثر تقریر کی جس کا اقتباس یہ ہے۔

"عرصہ ہوا ہم نے اپنے مقدر سے ایک وعدہ کیا تھا۔ اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنا وعدہ وفا کریں۔ اپنے عزیز وطن کو غلامی سے نجات دلائیں۔ پوری طرح نہ سہی پھر بھی ایک معقول حد تک۔ دوپہر رات گئے جب دنیا خواب راحت میں ہے ہندوستان ایک نئی زندگی اور آزادی کا علم اونچا کر رہا ہے۔ تاریخ میں ایک لمحہ آتا ہے۔ مگر شاید بہت شاذونادر ہی۔ جب ہم ایک پرانی دنیا سے نئی دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ ایک قوم صدیوں سے دبی، کچلی، مایوس و بے بس قوم کی مردہ روح جی اٹھتی ہے پھر آواز پالیتی ہے۔ آیئے ہم اس موقع پر یہ عہد کریں کہ اپنی زندگی ہندوستان اور اس کے عوام کی خدمت کے لئے وقف کر دیں گے اور ساری انسانیت کی بھلائی کے عظیم تر آدرش سے کبھی منہ نہیں موڑیں گے"۔

وہ ملک کے پہلے وزیر اعظم بنائے گئے۔ اپنی ۱۷ سالہ وزارت عظمی کے دوران آپ کی کارگزاریاں بے شمار ہیں ہندوستان کی ترقی کے علاوہ عالمی امن کے قیام کے لئے کافی کوششیں کیں۔ بہت سے ملکوں سے دوستی کے معاہدے کئے۔ ہر ملک کی سائنسی اور تعلیمی ترقی دیکھ کر اپنے دیس میں ایسی ترقی کی بنیادیں قائم کیں۔ ہندوستان کو نئی صنعتوں سے مالا مال کر دیا۔ پھر ہندوستان میں زرعی ترقی کے لئے بہت کوششیں کیں۔ بڑی بڑی ندیوں پر بند بندھوائے۔ ویران جنگلوں پہاڑیوں کو سبزہ زار بنادیا۔ اناج کے معاملے میں ہندوستان کو خود کفیل بنانے کی کوششیں کی۔ دنیا میں ہندوستان کا نام بلند کیا۔ ۲۷ر مئی ۱۹۶۴ء کو دل کے دورے کی وجہ سے انتقال کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد

MAULANA ABUL KALAM AZAD

پروفیسر محمد صبغۃ اللہ

آزاد کی پیدائش ۱۰ر ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ عید الاضحیٰ کے دن مکہ معظمہ میں ہوئی۔ خاندانی سلسلہ ابو بکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ آباواجداد اسی مناسبت سے صدیقی کہلاتے تھے۔ آپ کا خاندان دلی کے مشہور خاندانوں میں سے تھا۔ والد خیر الدین بہت بڑے صوفی اور عالم دین تھے۔ پیری مریدی کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ آزاد کا اصلی نام غلام محی الدین تھا۔ لیکن انہوں نے غلام کا لفظ پسند نہ کیا اور اپنا نام احمد ابوالکلام رکھا اور آزاد تخلص اختیار کیا۔ ابوالکلام کی کنیت سے مشہور ہیں۔ فیروز بخت آپکا تاریخی نام تھا۔

آپ نے غضب کا حافظہ پایا تھا جو سنتے یا پڑھتے وہ برسوں نہیں بھولتے تھے۔ تعلیم کے زمانے میں آپ کو اپنے اسباق دہرا کر پڑھنے کی ضرورت پیش نہ آئی۔ یہاں تک کہ صفحہ، سطریں بلکہ کتاب کی جلد اور رنگت تک بخوبی یاد رہتیں۔ غبار خاطر، خطوط کا مجموعہ جو شیروانی صاحب کو مخاطب کر کے احمد نگر جیل میں لکھے گئے اس کی بہترین مثال ہے۔ ان خطوط میں قرآنی آیات، احادیث اشعار عربی، فارسی اور اردو جو حوالوں کے طور لکھے گئے ہیں وہ سب کے سب حافظہ کی مدد سے لکھے گئے اپنی تحریروں اور تقریروں میں جو حوالے دیا کرتے کبھی کوئی لفظ غلط نہیں ہوتا تھا۔ حافظہ کا اتنا اچھا ہونا خدا کی بڑی نعمت ہے۔

پہلے پہل مولانا آزاد اجرت پر مضامین لکھتے، عربی فارسی رسالوں کے ترجمے کرتے اور جو کچھ ملتا اس سے کتابیں خرید لیتے۔ متعدد اخبارات کے مدیر رہے۔ احسن الاخبار 'المصباح، لسان الصدق، وکیل، پیغام، الہلال، البلاغ' وغیرہ ہیں۔ ۱۹۰۸ء میں مولانا نے مصر، عراق، شام، ٹرکی اور فرانس کا سفر کیا تو اخبار اور پریس کی اہمیت کا اندازہ ہوا۔ شیخ محمد عبدہ، جمال الدین افغانی کے ساتھ پیرس سے العروۃ الوثقی

نکال کر یورپ کے سیاسی حلقوں میں کھلبلی مچا چکے تھے اور مصر کے سرکاری اخبار الوقائع المصریہ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے اپنے اخبار کو اصلاحِ معاشرہ کا مؤثر ترین حربہ بنا چکے تھے۔ مولانا لکھتے ہیں

"واپسی کے بعد کچھ دنوں تک غور کرتا رہا کہ مجھے کیا طریقہ اختیار اور کیا پروگرام بنانا چاہئے۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہمیں اپنے خیالات کو پبلک تک پہنچا کر اپنی موافقت کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہئے اس لئے کہ ایک اخبار جاری کرنا ضروری تھا اسی ارادے سے الہلال پریس قائم کی"۔ ۱۳ر جولائی ۱۹۱۳ء کو الہلال جاری ہوا یہ جرجی زیدان کے الہلال کے نمونہ پر تھا۔ ۱۸ر ستمبر ۱۹۱۳ء کو پریس ایکٹ کے تحت الہلال سے دو ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کی گئی بعد کو دس ہزار کی جس کے نتیجہ میں وہ بند ہو گیا۔ ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء کو البلاغ جاری کیا۔ ان کو اپنے مقاصد اور مشن سے اتنا عشق تھا کہ اس کے نشرواشاعت کے لئے ہر ممکن جدوجہد کر رہے تھے مقصدیت کا سوز دروں خطرات کی آگ میں بھی گلزار ابراہیم کا مزہ پا رہا تھا۔ ۲۸ر مارچ کو حکومت بنگال نے بنگال سے باہر نکل جانے کا حکم دیا، یہ رسالہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

مولانا آزاد اس ہندو مسلم تہذیب کا ایک شاہکار تھے جو گزشتہ ہزار برس میں پروان چڑھی تھی انہوں نے تحریر و تقریر کے فن میں بے نظیر کمال حاصل کیا جس کے ذریعہ وہ اپنے خیالات کی اشاعت بہت مؤثر اور شگفتہ انداز میں کر سکتے تھے اور کرتے رہے اس اٹھان سے یہ پیشن گوئی کرنا مشکل نہ تھا کہ وہ ایک جید عالم دین بنیں گے اور مسلمانوں کی ذہنی اور مذہبی قیادت کا فرض انجام دیں گے لیکن قدرت کو ان سے یہ کام لینا بھی تھا اور اس کے ساتھ ساتھ قوم کی سیاسی راہبری بھی ان کے نصیب میں لکھی تھی ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے دو فریضوں کی انجام دہی میں بڑی حسین ہم آہنگی پیدا کی۔ انہوں نے مسلمانوں کو ان کی تہذیب اور مذہب کی قدروں سے آشنا کیا ہندوستان کے ایوان مستقبل میں انہیں انکا مقام دکھایا اور مختلف لیکن مربوط فرائض کی تعلیم دی جو ایک مسلمان ایک ہندوستانی اور ایک انسان کی حیثیت سے جو دنیا کا شہری ہے ان پر عائد ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے محسوس کیا کہ

ہندوستان میں مسلمانوں اور دوسری جماعتوں کے مفاد اور بہبود اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں جیسے گوشت سے ناخن کا جدا ہونا ناقابل قیاس ہے جب تک سارا ملک آزاد نہ ہو اس میں غریبی بیماری اور جہالت کو دور نہ کیا جائے عام لوگوں کے معیار زندگی کو بہتر نہ بنایا جائے جب تک پوری قوم کے دماغ میں علم و عقل کے چراغ روشن نہ ہوں کریم قلب میں انسانیت کا گداز پیدا نہ ہو مسلمان اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر اپنے مسئلوں کا حل نہیں کر سکتے اپنی کشتی کو اکیلے کھے کر عافیت کے ساحل تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے خود ان کی بہتری کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ملکی آزادی کی جدوجہد اور ایک بہتر سماج بنانے کی تحریک میں کھلے دل سے شریک ہوں۔ ان کا ذہنی اور جذباتی الحاق ان کے اپنے الفاظ میں "ایک عالم گیر تصور انسانیت" کے ساتھ تھا وہ ہر مسئلے کو ایک انسانی مسئلہ سمجھتے تھے اور خیر و شر کو تمام دنیا کے انسانوں کے لئے ایک ناقابل تقسیم میراث۔

ساری زندگی سیاست کی منجدھار میں گزارنے کے باوجود انہوں نے اپنی قوت اور اثر کو بڑھانے کے لئے کبھی اشتہار بازی سے کام نہیں لیا اپنی کوئی پارٹی نہیں بنائی۔ سیاست کا کھیل کھیلنے والے جو گھٹیا چالیں اور ریشہ دوانیاں اس مقصد کے لئے کرتے ہیں ان سے اپنے وقار اور عفت کو آلودہ نہیں کیا۔ سستی مقبولیت حاصل کرنے کے لئے عوام کے وقتی جذبات اور تعصبات کے لئے مائکروفون نہیں بنے۔ گمراہ عوام کی سطح پر نہیں اترے بلکہ کبھی ناصح، مشفق کی محبت اور سمجھداری کے ساتھ کبھی پیغمبرانہ جرأت اور للکار کے ساتھ انہیں اپنی سطح پر لانے کی کوشش کی۔ سیاست کے طوفان میں ان کے قدم پہاڑ کی طرح اٹل رہے۔ مثلاً وہ ہندوستان کی تقسیم کے خلاف تھے اور اس کو ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے نقصان دہ اور خطرناک سمجھتے تھے جب مجبوری اور مصلحت کے تقاضوں سے قوم کے دوسرے بڑے نیتا اس عمل جراحی پر آمادہ ہو گئے اس وقت بھی ان کی رائے ثبات میں فرق نہیں آیا۔

قدرت نے انہیں ایسا روشن دماغ دیا تھا کہ وہ ہر مشکل سیاسی مسئلہ کی گتھیوں کو سلجھا دیتے اور ان کا ناخن تدبیر کامیابی کا راستہ کھول دیتا۔ یہی حال دفتر کے کاموں میں تھا۔ تمام اقلیتوں کو

پورا ابھرو سا تھا اور وہ جانتی تھیں کہ مولانا ان کے جائز حقوق کی حمایت کریں گے۔ آخر فطرتاً ایک پالیٹیشین نہ تھے بلکہ ٹیگور گاندھی اور نہرو کی طرح ایک معلم تھے ان کی دلچسپی کا مرکز قوت کے کھیل اور سیاست کی مہرہ بازی نہ تھی بلکہ صحیح اور صالح قدروں کی اشاعت اور قومی کردار کی تشکیل وہ جانتے تھے کہ جو سیاسی اقتدار اور آزادی ان قدروں کی بنیاد پر قائم نہ ہو اس کا انجام بخیر نہیں ہو سکتا اور جب تک قوم میں رواداری، جرعت، سچائی کی لگن، محنت کی عادت، ڈسپلن، مل جل کر کام کرنے کی صلاحیت اور ایثار کی صفات پیدا نہ ہوں آزادی ریت کی دیوار ثابت ہو گی۔ ابتدائی زندگی میں انہوں نے محسوس کیا کہ یہ تعمیری کام سیاسی آزادی حاصل کئے بغیر خوبی کے ساتھ نہیں ہو سکتا تو وہ خانقاہ کی گوشہ نشینی ترک کر کے سیاست کے خارزار میں آئے لیکن اس تبدیلی سے ان کے مقصد میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ مقصد وہی تھا لیکن عمل کا دائرہ وسیع ہو گیا۔

اس مرد مؤمن کی زندگی میں خدا کی فیاضی کی ایک عجیب شان نظر آتی ہے۔ اسے قدرت نے کیا کچھ نہیں دیا۔ وجاہت ظاہری جو اس کو لاکھوں میں ممتاز بناتی تھی۔ دماغ کی تابانی جو فکر و عمل کے تاریک گوشوں کو منور کرتی تھی دل کی فراخی جس میں تعصب کے سوا ہر چیز کے لئے جگہ تھی۔ علم کی وہ فراوانی کہ حدوں کا پتہ نہ چلے۔ تحریر و تقریر کا وہ کمال جو اس کی زندگی میں فسانہ بن گیا۔ زبان کو اس نے ایک نیا انداز اور اسلوب بخشا اور لفظوں سے کام لیا شعلہ و شبنم کا، رزم اور بزم کا، پھول اور تلوار کا۔ مذہب میں اس کی وہ نظر تھی کہ اس کے آئینے میں دین و دنیا دونوں کی واضح تصویر پر نظر آتی تھی اور فکر حاضر سے ایسی واقفیت کہ مغرب کے عالم بھی اس کا لوہا مانتے تھے۔ یہ تھے مولانا آزاد ایسا کہاں سے آئے گا۔

فکر کی تابانی تو سب پر روشن ہے اور محفل سے جدائی کی شان بھی بہت لوگوں نے دیکھی لیکن 'سب کی رفاقت' کا کم لوگوں کو صحیح اندازہ تھا۔ اس کا ثبوت ملا جب ان کے بنانے والے نے ان کو یاد کیا اور وہ اس کا نام لیتے لیتے اس کے حضور میں پہنچ گئے۔ اس وقت نہ صرف لاکھوں دلی والوں کی بلکہ بے شمار ہندوستانیوں کی عقیدت اور محبت صبر اور ضبط کے بندھن توڑ کر امنڈ پڑی۔ باہمی تفرقوں اور اختلافوں

کو بھول کر سب نے ان کی خاموشی اور بے لوث خدمت کا اعتراف کیا۔ گاندھی جی اور جواہر لال نہرو آپکی دانائی کے بہت قائل تھے۔ آپکی سمجھ بوجھ دیکھ کر حکومت ہند نے صیغہ تعلیمات کا وزیر بنا دیا۔ اس صیغہ میں آپ نے اتنا اچھا کام کیا اور اس میں اتنی اصلاحیں کیں کہ پھر کسی کو مزید اصلاح کی ضرورت ہی نہ رہی۔ بہت سی بیش قیمت کتابیں تصنیف کیں، تذکرہ قولِ فیصل، غبار خاطر اور ترجمان القرآن بہترین یادگار ہیں۔ ترجمان القرآن کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج دنیا کی بیشتر زبانوں میں اس کے تراجم تیار ہوئے اور اچھی اچھی شکلوں میں اس کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ افسوس کہ یہ ترجمہ پورے قرآن کا نہ ہو سکا۔ ۲۲ر فروری ۱۹۵۸ء کو وفات پائی۔ جامع مسجد دلی کے روبرو سپرد خاک کئے گئے۔

حسرت موہانی

HASRAT MOHANI

پروفیسر محمد صبغۃ اللہ

سید فضل الحسن نام، حسرتؔ تخلص، اردو کے صف اوّل کے شاعر، ادیب، نقاد، صحافی اور جنگ آزادی کے صف اول کے مجاہد تھے۔ ایم۔ اے۔ او کالج سے بی۔ اے کیا۔ وہ ایک متوسط جاگیر دار خاندان سے تھے اس پس منظر کے طالبِ علم کے لئے ڈپٹی کلکٹری یا دوسری ملازمت کی بہت اہمیت تھی لیکن حسرت نے اپنے درویشانہ صفات کی بنا پر ان سب کو ٹھوکر ماری اور ساری زندگی درویشانہ انداز میں گزار دی۔ بڑے خوددار انسان تھے اپنی خودی کا کبھی سودا نہیں کیا اور نہ اس پر آنچ آنے دی۔ اسی خودی اور غریبی میں رہ کر شاعری صحافت اور سیاست میں نام پیدا کیا۔

حسرت کی سیاسی زندگی کی کہانی بہت طویل ہے۔ انہوں نے عین جوانی میں میدانِ سیاست میں قدم رکھا۔ سیاسی سرگرمیوں کی ابتدا قید وبند سے ہوئی۔ اردوئے معلی بابت اپریل ۱۹۰۸ء میں ایک مقالہ چھپا جس کا عنوان تھا "مصر میں انگریزوں کی تعلیمی پالیسی" اس مقالے پر مصنف کی حیثیت سے "راقم ایک طالبِ علم از علی گڈھ" دیا گیا تھا۔ یہ مضمون حکومت کی نظروں میں باغیانہ قرار پایا۔ اس کی بنیاد پر ۲۳ جون ۱۹۰۸ء کو حسرت کو بغاوت کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس مقالے میں ایسا کچھ نہیں تھا جس کی بنیاد پر ایڈیٹر کو گرفتار کیا جا سکے۔ دراصل یہ اس مہم کا حصہ تھا جو برطانوی حکومت نے باغی آوازوں کو دبانے کے لئے شروع کی تھی۔ ۱۹ر جون ۱۹۰۹ء کو حسرتؔ رہا ہوئے۔ اکتوبر سے اردوئے معلی دوبارہ جاری کیا، قید وبند کی تفصیلات "مشاہدات زنداں" کے نام سے لکھیں۔ بقول حسرتؔ

"۲۳ر جون ۱۹۰۸ء سے ۱۹ر جون ۱۹۰۹ء تک اور زمانہ قید فرنگ میں جو کچھ راقم الحروف نے دیکھا یا سنا اس کو شائع کرنے کا بوجوہ اور چند در چند ارادہ نہ تھا لیکن بعض احباب کے اصرار سے مجبور ہو کر

اب یہ قصد کر لیا گیا ہے کہ مندرجہ بالا عنوان سے کم از کم دلچسپ واقعات وحالات ہر ماہ درج ہوا کریں، یہ قسطیں ۱۳ مہینہ تک شائع ہوتی رہیں بعد میں یہ کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ حسرتؔ کی سیاسی زندگی میں نشاط النساء بیگم المعروف بیگم حسرت موہانی کی خصوصی اہمیت رہی ہے اور ان کی سیاسی زندگی کی تشکیل میں انہوں نے جو کردار ادا کیا اس کی روداد بھی "مشاہدات زندان" میں ملتی ہے۔ گرفتاری کے وقت حسرت کی شیر خوار بیٹی نعیمہ بہت بیمار تھی اور اتفاق سے گھر پر بیگم حسرت اور ایک خادمہ کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ ایسے نازک حالات میں بھی باحوصلہ اور باہمت خاتون بیگم حسرت نے سپرنٹنڈنٹ جیل کے ذریعہ حسرتؔ کو ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا۔ "تم پر جو افتاد پڑی ہے اسے مردانہ وار برداشت کرو۔ میرا یا گھر کا مطلق خیال نہ کرنا۔ خبردار! تم سے کسی قسم کی کمزوری کا اظہار نہ ہو"۔

بیگم حسرت پردے کی زبردست پابند تھیں لیکن ایسے سخت حالات میں وہ گھر سے باہر نکل آئیں انھوں نے حسرتؔ کے مقدمہ کی پیروی شروع کی۔ آخر کار وہی فیصلہ ہوا جو اس اس قسم کے مقدمات میں ہوا کرتا ہے، ۴ر اگست ۱۹۰۸ء کو قید سخت کا آغاز ہوا۔ اس دوران حسرتؔ کو بہت سی ذہنی اور جسمانی اذیتوں سے گزرنا پڑا۔ بالآخر ۱۹ر جون ۱۹۰۹ء کو حسرت جیل سے رہا ہوئے۔ خیال تھا کہ ایسی جسمانی مشقتیں اٹھانے کے بعد حسرت سیاست سے توبہ کر لیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ زندگی کے آخری لمحے تک وہ ایک سیاست داں ہی رہے۔

دوسری مرتبہ قید میں

۱۰ر اپریل ۱۹۱۶ء مسلم یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی کا جلسہ لکھنو میں تھا۔ حسرتؔ نے اس میں شرکت کی پھر علی گڈھ چلے آئے۔ ۱۳ر اپریل ۱۹۱۶ء دوپہر سپرنٹنڈنٹ پولیس علی گڈھ نے اپنے ساتھ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ (کوتوال) کورٹ انسپکٹر اور پولیس کے سپاہیوں کے ساتھ حسرتؔ کے گھر پر دھاوا بول دیا، انھیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ مکان اور دوکان کی تلاشی لی۔ بہت سے خطوط، تجارتی کاغذات، مولانا محمد علی، ابوالکلام آزاد اور انور پاشاہ کی تصویریں وغیرہ ضبط کر لئے۔ یکم مئی ۱۹۱۶ء ہفت

روزہ "مدینہ" بجنور خبر دیتا ہے کہ حسرت کو جیل میں علاحدہ کمرہ دیا گیا اور بستر اور پلنگ بھی ملا۔ اہل وعیال کو ان سے ملنے کی اجازت دی گئی کھانا بھی گھر سے بھیجا جا سکتا تھا۔

حسرت اور ان کی بیگم دونوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ حسرت کو کس جرم میں گرفتار کیا گیا ہے۔ مولانا آزاد اور مولانا حسرت دونوں یکساں حالات میں کیوں معتوب ہوئے اس کی اصل داستان یہ ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے دوران کچھ ممتاز مجاہدینِ آزادی نے کابل میں حکومت موقتی ہند Independent Republic of India قائم کی۔ ان لوگوں میں دیوبند کے شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے شاگرد مولانا عبیداللہ سندھی، مہاراجہ مہیندر پرتاب سنگھ اور برکت اللہ وغیرہ پیش پیش تھے۔ مہاراجہ اس حکومت کے صدر، برکت اللہ وزیر اعظم اور عبیداللہ سندھی وزیر داخلہ منتخب ہوئے۔ شیخ الہند نے "جنود ربانیہ" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی۔ ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے یہ مسلم انقلابی فوج تھی۔ اس فوج میں جو لفٹننٹ جنرل مقرر ہوئے ان میں حسرت موہانی بھی شامل تھے۔ مولانا محمد میاں شیخ الہند کے خطوط لے کر مولانا حسرت کے اور ابوالکلام آزاد کو دعوت دینے ہندوستان آئے تھے۔ ان کے ہندوستان پہنچنے سے قبل برطانوی حکومت کو اس دعوت کا علم ہو گیا تھا اس لئے حسرت کو گرفتار کیا جا چکا۔

۱۹ر اپریل کی صبح خفیہ طور پر رہا کرنے کے لئے راضی ہوئی لیکن حسرت کو قیدِ محض تھی انہیں جسمانی اذیتیں نہیں دی جاتی تھیں۔ پھر بھی کبھی کبھی جیل کے ذمہ داران کے خلاف قاعدہ سختیاں کرتے حسرت کو ذہنی و جسمانی اذیتیں دیتے۔ جیل کی مشقتوں اور بے انتہا خراب کھانے کے باعث حسرت کی طبیعت خراب ہو گئی۔ انہیں گردے کی شکایت ہو گئی۔ ہاضمہ خراب ہو گیا۔ بیگم حسرت نے حکیم اجمل خاں سے دوائیاں لے کر بھیجیں اس دوران ان کا وزن گھٹ کر ۱۱۲ پونڈ ہو گیا۔

حسرت کے کچھ غیر سیاسی دوستوں اور سماجی تنظیموں نے حکومت سے حسرت کی رہائی کی اپیلیں کیں، کوئی نتیجہ نہیں نکلا، یہاں تک کہ دو سال کی مدت ختم ہو گئی۔ رہائی سے کچھ دن قبل حسرت

کو اطلاع ملی کہ انھیں قید سے رہائی کے بعد نظر بند کیا جائے گا۔ حسرت نے ۲۱ مئی کو گورنمنٹ کو تار دے کر اطلاع دی کہ اگر انہیں نظر بند کر دیا گیا تو وہ پھر انکار کر دیں گے۔ گورنمنٹ نے جواب دیا کہ نوٹس نظر بندی منسوخ کر دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود نظر بندی کے احکامات جاری رہے۔ ۲۲ر مئی ۱۹۱۸ء کو حسرت جیل سے رہا ہوئے ان کے استقبال کے لئے بیگم حسرت اور صاحبزادی نعیمہ میرٹھ جیل کے پھاٹک پر موجود تھیں۔

تیسری مرتبہ قید

احمد آباد میں مسلم لیگ کانگریس اور خلافت کانفرنس کے سالانہ اجلاس دسمبر ۱۹۲۱ء میں منعقد ہوئے۔ ان اجلاس میں حسرت نے باغیانہ تقریریں کیں اور مکمل آزادی کا مطالبہ کیا اس لئے ۱۴ر اپریل ۱۹۲۲ء کو کانپور میں گرفتار کر کے احمد آباد لایا گیا اور سابرمتی جیل میں رکھا گیا۔

حسرت کی گرفتاری پر مولانا احمد سعید دہلوی نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

"ہم کو مولانا کی ذات سے بے حد محبت اور عقیدت ہے کیونکہ سات کروڑ مسلمانوں کی اس آبادی میں اگر کوئی ابوذر کی سی صفات کا مسلمان ہے تو وہ اسلام کا دیوانہ حسرت ہی ہے۔ مگر باوجود اس کے ان کی گرفتاری نے ہم کو رنج وملال نہیں پہنچایا۔ البتہ اس خیال سے کہ ان کی اکلوتی بیٹی کی شادی ہو رہی تھی یعنی اپنی عائلی زندگی میں پہلی اور آخری خوشی ان کو نصیب ہو رہی تھی عین اس وقت ان کی گرفتاری ہمیں سخت اذیت پہنچاتی ہے اور غالباً تمام مسلمانوں کو اس سے تکلیف ہو گی"۔

مولانا اکثر کہا کرتے تھے کہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرنا خوشی خوشی جیل جانا حکومت کے کام کو آسان کرنا ہے اور اسی لئے انہوں نے عزم کر لیا ہے کہ اگر انہیں پولیس گرفتار کرنے آئی تو وہ ساتھ جانے سے انکار کر دیں گے۔ گرفتاری کے وقت انہوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ خود پولیس کے ساتھ نہیں گئے پولیس مجبوراً انہیں گود میں اٹھا کر دوکان سے موٹر اور موٹر سے ریل میں رکھا۔ مقدمہ احمد آباد میں چلا۔ آخری انصاف کی غرض سے معاملہ ہائی کورٹ کے سپرد کر دیا گیا۔ مقدمے کی کاروائی دو گھنٹے

تک چلتی رہی۔ ۱۱ر جولائی ۱۹۲۲ء کو سر لالو بھائی شاہ قائم مقام چیف جسٹس اور جسٹس کرپس نے حسرت کو زیر دفعہ ۱۲۱ تعزیرات ہند بری کر دیا۔ زیر دفعہ ۱۲۴ (الف) کے تحت دو سال کی قید بامشقت کی سزا دی۔ ۱۱ر اگست ۱۹۲۴ء کو حسرت کو یروداجیل سے بمبئی لایا گیا۔ رات کو بائی کلا کے ایک مکان میں رکھا گیا۔ ۱۲ر اگست کی سہ پہر کو انہیں قیدیوں کی گاڑی میں بوری بندر اسٹیشن پہنچایا جہاں سے وہ کانپور چلے گئے۔

حسرت کا دستور ہند

حسرت نے ایک ایسے دستور کی تجویز پیش کی تھی جس کی رو سے ہندوستان میں چھ ریاستیں ہوتیں۔

(۱) مشرقی پاکستان (۲) مغربی پاکستان (۳) مرکزی ہندوستان (۴) جنوب مشرقی ہندوستان

(۵) جنوب مغربی ہندوستان (۶) حیدر آباد

اس سب کو وفاقی اتحاد ریاست ہائے ہند کا اجزائے ترکیبی ہونا چاہئے۔

حسرت اور سودیشی تحریک

برطانوی حکومت نے کچھ سیاسی مصلحت اور کچھ ہندوؤں اور مسلمانوں میں خلیج پیدا کرنے کے لئے بنگال کو اس طرح تقسیم کر دیا کہ مصلحت کے تحت مسلم اکثریت کا علاقہ علاحدہ ہو گیا۔ یہ تقسیم ۱۹ر جولائی ۱۹۰۵ء کو کلکتہ میں پندرہ ہزار لوگوں کا جلوس نکلا۔ ٹاؤن حال میں جلسہ ہوا جس میں یہ تجویز منظور ہوئی۔ "یہ جلسہ اس تجویز کی پوری حمایت کرتا ہے جو مفصل میں منعقد ہونے والے بہت سے جلسوں میں منظور ہوئی ہے۔ تجویز یہ کہ جب تک بنگال کی تقسیم ختم کر کے دونوں حصوں کو متحد نہ کر دیا جائے برطانیہ میں بنی ہوئی چیزوں کا بائیکاٹ کریں گے"۔ کچھ ہی دن میں یہ تحریک پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ بال گنگادھر تلک نے بمبئی پریزیڈنسی میں اس مہم کو اور تیز کیا۔ اب مطالبہ صرف تقسیم شدہ بنگال کو متحد کر دینے تک محدود نہیں رہا بلکہ طے پایا کہ جب تک ملک آزاد نہ ہو جائے تحریک جاری رہے گی۔ حسرت سودیشی تحریک کے بڑے علمبردار اور مبلغ تھے اس سلسلے میں انہوں نے خود کو تحریر و تقریر تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس تحریک کو عملی روپ دینے میں بھی سرگرم رہے۔

حسرت لوہے کے آدمی تھے ایک دفعہ جس چیز کا فیصلہ کر لیتے زندگی بھر اس پر عمل کرتے۔ سودیشی تحریک کے معاملے میں بھی یہی حال رہا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ "ایک مرتبہ حسرت موہانی کا ان کے گھر پر قیام تھا اس وقت سیاست میں سودیشی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا۔ یہ سردی کا زمانہ تھا۔ میزبانوں نے ان کے پائیدان پر کمبل رکھ دیا جو ولایتی تھا۔ حسرت نے رات سردی میں اسی طرح کاٹ دی مگر وہ کمبل نہیں اوڑھا"۔ حسرت نے سودیشی اسٹور کے نام سے سودیشی کپڑوں کی دوکان قائم کی یہ اسٹور علی گڈھ رسل گنج میں قائم کیا گیا۔ حسرت کی نگرانی میں یہ اسٹور ٹھیک چلتا رہا لیکن ان کی گرفتاری کے بعد اسٹور کی حالت خراب ہو گئی۔ غالباً ۱۹۲۴ء کے اواخر یا ۱۹۲۵ء کے اوائل میں بند کرنا پڑا۔

آزادیٔ کامل کی تجویز

حسرت کے مزاج میں بغاوت تھی اس لئے انھوں نے کانگریس کے گرم دل کے۔ بال گنگادھر تلک کو اپنا رہنما تسلیم کیا ان کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا مکمل آزادی حاصل کرنا، جنگِ آزادی کے مجاہدین کو اپنی کمزوری اور برطانوی حکومت کی طاقت کا بالکل اندازہ نہیں تھا۔ انہوں نے جنگ آزادی میں جو قربانیاں دیں اور مصائب و آلام، قید و بند کی مشقتیں اور برطانوی حکومت کے ظلم و ستم برداشت کئے اس میں ان کے خلوص اور عظیم مقصد کے لئے جد و جہد سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر وہ ذرا ٹھنڈے مزاج مصلحت اور دور اندیشی سے کام لیتے تو ان کی ایثار و قربانی مؤثر و کار آمد ہوتی۔

رکن پارلیمان

حسرت اتر پردیش اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے دستور ساز اسمبلی کے رکن بنے۔ جب ہندوستان آزاد ہو گیا اور ہندوستانی پارلیمنٹ وجود میں آئی تو دستور ساز اسمبلی کے ممبران پارلیمان کی پہلی پارلیمان کارکن بنا دیا گیا۔ اس طرح حسرت پارلیمنٹ کے ممبر بھی بن گئے۔

حسرت کی زندگی کا تذکرہ بیگم حسرت کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ ان کے خطوط جو حسرت کے نام ہیں ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نشاط النساء بیگم نے ہمیشہ حسرت کی نظر بندی سے بہتر قید کو ترجیح دی۔ یہ اس خاتون مشرق کی آواز تھی جو باوجود ایک دولت مند باپ کی بیٹی ہونے کے حسرت کے ساتھ نمک کی روٹی کھا کر اور اجرت پر سلائی کر کے اور چکی پیس کر زندگی بسر کی۔ مگر کیا مجال جو ایک حرف بھی شکایت کا زبان پر آیا ہو۔ ان کے صبر و استقلال اور حرارت ایمانی کی اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی۔ حسرت موہانی جنگ آزادی کے صف اول کے مجاہد تھے۔ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف آواز اٹھائی اور ان کو ہندوستان سے نکلنے پر مجبور کر دیا اس کے لئے وہ عزم وارادے کے ساتھ آخر تک مقابلہ کرتے رہے۔

۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک حصہ پاکستان کی طرف اور دوسرا آبادی کے اعتبار سے ہندوستان کے حصے میں آیا۔ مولانا نے ہندوستان میں رہنا پسند کیا ان کی آواز میں وہ جادو تھا کہ جس کی گل افشانیاں لوگوں کو تقویت دیتی رہی۔

وہ رکن پارلیمان بھی بنے۔ آزادی کے بعد جب ہندوستان کا دستور ۲۶ر جنوری ۱۹۴۹ء کو قانون ساز اسمبلی میں منظوری کے لئے پیش کیا گیا تو منظوری سے قبل اتفاق رائے کے لئے اسپیکر نے دریافت کیا کہ ہندوستان کا یہ نیا دستور آپ سب حضرات کو منظور ہے، سب نے نئے دستور کی موافقت میں ہاتھ اٹھائے۔ لیکن اچانک پورے ایوان میں ایک آواز گونجی "مجھے منظور نہیں ہے" یہ تنہا آواز اس مرد مجاہد کی تھی جس نے ۱۹۲۱ء میں جب گاندھی جی کانگریس پر چھائے ہوئے تھے اور تحریک ترکِ موالات کا بہت زور تھا اور کانگریس کی سبجکٹ کمیٹی کا اجلاس احمد آباد میں ہو رہا تھا اس موقع پر ہندوستان کے استقلال (انڈی پنڈنٹ) کی تجویز انہوں نے پیش کی تھی۔ گاندھی جی حسرت کے اس اقدام سے گھبرا گئے مگر وہ اپنی بات پر جمے رہے۔ انہوں نے اس کو جب کھلے اجلاس میں پیش کیا تو کسی نے ان کے حق میں ہاتھ نہیں اٹھایا۔ لیکن جب ۱۹۲۹ء میں پنڈت نہرو نے آواز اٹھائی تو سب نے اس

کی تائید کی۔ اسی طرح نئے دستور کی منظوری کے خلاف آواز اٹھائی تو کسی نہیں سنا بلکہ سردار پٹیل تو تحقیر کے انداز میں مسکراتے ہوئے دکھائی پڑے۔ اس مجاہد کو کیا معلوم تھا کہ آگے چل کر ہندوستان کے مسلمانوں کو وہ حقوق نہیں دئے جائیں گے جس کے لئے کانگریس کے ساتھ مل کر آزادی کا بگل بجایا۔ افسوس کہ حسرت موہانی باصد و حسرت ویاس ۱۳ر مئی ۱۹۵۱ء کو کان پور میں انتقال کر گئے ان کی وہ آواز آج بھی ایوان کے ستونوں میں گونجتی سنائی دیتی ہے اور بے انصافی کی مذمت کرتی ہے۔

سروجنی نائیڈو

SAROJINI NAIDU

پروفیسر محمد صبغۃ اللہ

سروجنی نائیڈو ۱۳ر فروری ۱۸۷۹ء کو پیدا ہوئیں۔ وہ آٹھ بہنوں میں سب سے بڑی تھیں۔ ان کی زندگی کا ایک ممتاز پہلو یہ ہے کہ انہوں نے غموں کو سینے سے لگا کر زندگی گزاری۔ وہ اگھورناتھ چٹوپادھیائے اور وردا سندری کی بیٹی تھیں۔ ان کا تعلق مشرقی بنگال کے ایک گاؤں برہم نگر سے تھا۔ ان کا دعوی تھا کہ سنسکرت کا علم انہیں اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے۔ اس کے علاوہ یہ خاندان فطرت کا پرستار تھا۔ اور یہ لوگ جنگلوں میں مراقبے کیا کرتے تھے۔ ان کے والد سنسکرت کے ماہر تھے اور انہوں نے مشرق و مغرب کے ادب کا بے پناہ مطالعہ کیا تھا۔ وہ انگریزی، اسرائیلی، جرمنی، فرانسیسی اور روسی زبانوں کے ماہر تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد ہر روز کچھ نہ کچھ نئی چیز سیکھنا تھا۔ کیمسٹری ان کا محبوب مضمون تھا جس نے آگے چل کر انہیں کیمیاگری میں الجھادیا۔

ان کے والد کو اپنی بیٹی کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اندازہ انہیں دنوں ہو گیا تھا جب وہ ابھی لڑکی ہی تھیں۔ انہوں نے ارادہ کر لیا کہ سروجنی کو میٹرک کرنا چاہئے۔ ان دنوں حیدر آباد میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کوئی معقول سکول نہیں تھا اس لئے سروجنی کو مدراس بھیج دیا جہاں انہوں نے بارہ برس کی عمر میں میٹرک پاس کیا۔ انہوں نے مدراس یونیورسٹی سے میٹرک کا یہ امتحان اس شان سے پاس کیا کہ پورے جنوبی ہند میں انہیں فرسٹ کلاس کے ساتھ فرسٹ پوزیشن بھی حاصل ہوئی۔ پھر انہوں نے نہ تو کوئی تعلیمی امتحان پاس کیا نہ طویل بیانیہ نظمیں لکھیں۔ ناول اور صحافتی مضامین بھی لکھنے بند کر دئے۔ ان سب کو ترک کر کے وہ سیاسی سرگرمیوں میں لگ گئیں۔ تاہم انگریزی ادب کا ان کا جتنا گہرا مطالعہ تھا اور لندن کی ادبی دنیا کے ساتھ ان کا جتنا ربط تھا وہ محض اکیڈمک امتیاز کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھا۔ بعد میں وہ رائل

لٹریری سوسائٹی کی ممبر بن گئیں اور کئی یونیورسٹیوں نے انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں عطا کیں۔

وہ ہمیشہ دو ناموں سے جانی جاتی رہیں گی۔ یہ نام ہیں ''بلبل ہند'' اور ''بھارت کوکیلا'' دوسرا نام مہاتما گاندھی کا دیا ہوا ہے۔ سروجنی کو ان کی شاعری اور ان کی خوبصورت نثر دونوں کے لئے اس غیر فانی پرندے ''کوکیلا'' سے مماثل کیا گیا۔

نوعِ انسانی میں ان کی کبھی نہ ختم ہونے والی دلچسپی بھی کم حیرت میں ڈالنے والی نہیں تھی۔ انہوں نے ہندوستان کے طالب علموں اور عورتوں کی آزادی پر خصوصی توجہ دی۔ اس کی بنیاد ۱۹۱۷ء میں سروجنی کو اس وفد کا لیڈر منتخب کیا گیا جس نے لارڈ مونٹاگو سے ملاقات کی اور اس لئے ۱۹۲۶ء میں ہونے والی آل انڈیا ویمن کانفرنس کی بانی بھی وہی تھی۔ عورتوں کی بہتری سے متعلق ہر جدوجہد کے پس پشت انہیں کی شخصیت کارفرما دکھائی دیتی ہے۔

تمام عمر ہندو مسلم اتحاد کے لئے کام کیا۔ انہیں دونوں فرقوں سے بے حد پیار تھا۔ اپنی صوفیانہ توجیہات کی مدد سے دونوں کو ملا کر ایک کر لیا تھا۔ اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ صدیوں پہلے جب اسلامی فوج ہندوستان میں وارد ہوئی تھی تو ان لوگوں کا قافلہ گنگا کے کنارے اترا تھا جہاں انہوں نے اپنی تلواروں کو تپا کر گنگا کے پانی میں بجھایا تھا۔ یہ گنگا کا پانی ہی تھا جس نے اسلامی حملہ آوروں کا سب سے پہلے استقبال کیا اور پھر نسل در نسل وہ ہندوستان ہی کے فرزند بن گئے۔

پہلے پہل ۱۹۰۲ء میں گوکھلے نے سروجنی کو یہ تحریک دلائی تھی کہ وہ اپنی زندگی کو مادر ہند کی خدمت کے لئے وقف کر دیں۔ مہاتما گاندھی سے بھی پہلے سروجنی نے گوکھلے کو اپنا آقا تسلیم کیا تھا۔ ان کے پہلے دوست اور سب سے پہلے گرو گوپال کرشن گوکھلے تھے جو اعتدال پسند حب الوطنی کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ سروجنی نے انہیں شیر دل Heroic Heart کا نام دے رکھا تھا۔ وہ انہیں لائق احترام استاد تصور کرتی تھیں۔ مہاتما گاندھی انہیں گنگا کے مماثل قرار دیتے تھے۔ ۱۸۹۰ء میں گوکھلے نے INC میں نمک ٹیکس میں تخفیف کے موضوع پر تقریر کی اس دن سے وہ اس عظیم جماعت کے مسلمہ ممبر

ہو گئے۔ انہوں نے پورے شدومد کے ساتھ بنگال کی تقسیم اور مزدوروں کو بندھوا بنانے کی مخالفت کی۔ گوکھلے اور سروجنی کے گہرے دوستانہ روابط کا سلسلہ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۱ء کے درمیان قائم رہا۔ گوکھلے نے ان سے کہا تھا کہ تم اپنی زندگی اور اپنی صلاحیتیں، اپنا گیت اور اپنی خطابت اپنا خیال اور خواب یہ سب مادر وطن کے لئے وقف کر دو گی۔ اے شاعرہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے نظر کے جلوے دیکھ اور وادیوں میں کام کرنے والے محنت کشوں تک اپنا پیغام پہنچادو۔

سروجنی کی گاندھی جی سے ملاقات ۱۹۱۴ء میں پہلی بار لندن میں ہوئی۔ وہ لکھتی ہیں کہ یہ بات اپنے آپ میں عجیب ہے کہ مہاتما گاندھی کے ساتھ میری پہلی ملاقات ۱۹۱۴ء میں یورپ کی جنگ عظیم کے موقع پر ہوئی وہ جنوبی آفریقہ کی مہم سے تازہ تازہ لوٹ کر آئے تھے جہاں انہوں نے غیر تشدد آمیز مدافعت کے اصول کو عملی طور پر برتنے کا پہلا تجربہ کیا تھا۔ اور جنرل اسمٹس کی ناقابل اعتبار شخصیت کے چنگل سے اپنے وطن کے ان لوگوں کو آزاد کرایا تھا جو وہاں زیادہ تر بندھوا مزدوروں کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ جہاز پر ان دونوں کی ملاقات دوستی میں بدل گئی، یہ دوستی بہت سود مند ثابت ہوئی۔ وفاداری اور عقیدت کی ایک لمبی مدت جس میں کبھی ایک گھنٹے کے لئے بھی جنبش نہیں آئی۔ اور تیس سال سے زیادہ عرصے تک ہندوستان کی آزادی کے لئے کندھے سے کندھا ملا کر چلتے رہے۔

۱۹۱۶ء میں مہاتما گاندھی نے کانگریس کے اجلاس میں شرکت کی اور ہندوستانی سیاست میں قدم رکھا اس میدان میں سروجنی کو ایک اہم رول ادا کرتے پایا۔ ۱۹۱۶ء سے تحریک آزادی نے ایک باقاعدہ شکل اختیار کرنی شروع کی تھی۔ چمپارن کے واقعہ سے گاندھی کی شخصیت بھی ابھر کر سامنے آئی۔ سیلف گورنمنٹ، بندھوا مزدور، ہندو مسلم اتحاد اور ایسے ہی دوسرے مسائل نے مہاتما گاندھی اور سروجنی نائیڈو دونوں کو ایک ساتھ کام کرنے کی تحریک دلائی۔ ۱۹۱۹ء میں رولٹ بل پاس ہوا اس کے پاس ہوتے ہی ملک میں بے چینی پھیل گئی۔ ہر طرف شدید احتجاج کی لہر دوڑ گئی۔ سابرمتی آشرم میں ایک کانفرنس بلائی جس میں ایک درجن لوگوں کو دعوت دی گئی جن میں سروجنی بھی ایک تھیں۔ ستیہ گرہ کے عہد نامے کا

مسودہ تیار ہوا جن لوگوں نے اس پر دستخط کئے ان میں سروجنی بھی شامل تھیں۔ ۹ر اپریل ۱۹۱۹ء کو کل ہند پیمانے کی ایک عام ہڑتال ہوئی۔ بمبئی میں یہ خاص طور پر کامیاب ثابت ہوئی۔ ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر ایک ٹیم کی طرح کام کیا۔ گاندھی اور سروجنی کو ایک مسجد میں لے جایا گیا جہاں انہوں نے تقریریں کیں۔ اگلے دن امرتسر جاتے ہوئے گاندھی کو گرفتار کر لیا گیا اس کے بعد جلیان والا باغ کا ہیبت ناک واقعہ پیش آیا۔ اس واقعہ کی ہولناکیوں کا اثر لوگوں کے دماغ پر اتنا گہرا ہوا کہ رابندر ناتھ نے اپنا نائٹ ہڈ کا خطاب واپس کر دیا۔ گاندھی جی نے 'قیصر ہند کا تمغہ لوٹا دیا۔ تحریک آزادی اپنی منزل پر گامزن تھی۔ پرنس آف ویلز کے دورے کے دوران پھیلنے والے تشدد اور چوراچوری کے فسادات کو روکنے کے لئے گاندھی جی نے برت رکھا۔ سروجنی بار بار فساد زدہ علاقوں میں جاتیں اور واپس آکر مہاتما گاندھی سے اپنے تجربات بیان کرتیں۔

سودیشی تحریک نے ۱۹۰۵ء میں اسی وقت زور پکڑ لیا جب کہ کانگریس نے بنگال کی تقسیم کی مخالفت کی تھی۔ ۱۹۱۵ء میں کانگریس نے اس کو نئی جہت دی۔ ۱۹۱۶ء میں تلک نے ہوم رول لیگ شروع کی اینی بسنٹ نے ملک کو مکمل سیاسی آزادی کے لئے بیدار کر دیا۔ گاندھی بھی مستعد ہو گئے اور سروجنی بھی خوشی خوشی اس جہاد میں شامل ہو گئیں۔

سروجنی کی ملاقات جواہر لال سے پہلی مرتبہ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ کانگریس میں ہوئی۔ جب کہ جواہر لال بھی مہاتما سے پہلی بار ملے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں وہ تیسری مرتبہ انگلستان پہنچیں تب تک آزادی کے ایک دلیر اور امن پسند سپاہی کی حیثیت سے ان کی شہرت ہو چکی تھی۔ وہ ۱۹۲۰ء میں ہندوستان لوٹیں اور آتے ہی مختلف معرکوں، ہڑتالوں اور مقدموں میں ملوث ہو گئیں۔ مہاتما گاندھی کا تاریخی مقدمہ ۱۹۳۲ء میں شروع ہوا سروجنی اس مقدمے کی عدالتی کاروائی میں حاضر رہیں۔ مارچ ۱۹۲۲ء میں بمبئی کرانیکل میں اس کاروائی کو شائع کرایا۔ اس مقدمے میں گاندھی کو چھ سال کی سزا ہوئی گاندھی جی کی گرفتاری کے بعد سروجنی نے ان کے کام کو سنبھالا اور کھدر پہن کر جگہ جگہ کا دورہ کیا۔

دسمبر ۱۹۲۵ء میں سروجنی نائیڈو کانپور اجلاس میں کانگریس کی صدر منتخب ہوئیں۔ کسی خاتون کا کانگریس کا صدر منتخب ہونا ایک بالکل نئی بات تھی۔ گاندھی جی نے انہیں چارج دے دیا۔ سروجنی نے یہ عہدہ سنبھالتے ہوئے گنے چنے الفاظ میں اپنے تاثرات بیان کئے۔ انہوں نے سیاسی پارٹیوں اور خود ہندوستانیوں کے درمیان اتحاد کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا: آزادی کی جنگ ایک ایسی مایوسی ہے ایک ایسی غداری ہے ایک ایسا گناہ ہے جسے کبھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔

۱۲ر مارچ ۱۹۳۰ء کو ۷۵ منتخب ساتھیوں کے ساتھ نمک مارچ کے لئے تیار ہوئے تو انہوں نے اس بات کی ممانعت کردی کہ کوئی عورت اس میں شامل نہیں ہوگی۔ پدیاترا روزانہ ۱۲ میل کا سفر طے کرتے تھے جیسے جیسے وہ سمندر کے قریب پہنچتے گئے ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ۲۴ دن کے مارچ کے بعد ۵ر اپریل کو دو سو میل دور ڈنڈی پہنچے۔ پرارتھنا کے بعد گاندھی جی سمندر کے کنارے سے خشک نمک اٹھاتے ہوئے نمک قانون کی خلاف ورزی کی۔ رضاکاروں میں ہزاروں عورتیں بھی شامل ہوگئیں۔ وہ اپنے ساتھ برتن لے کر آئیں تھیں تاکہ ان برتنوں میں سمندر کا پانی اور بے کار پڑا ہوا نمک لے جاسکیں۔ گاندھی جی نے ان عورتوں کی ہمت کی داد دی کیونکہ اس سے پہلے وہ کبھی اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلی تھیں۔ جیسے ہی مہاتما نے سمندر کے کنارے سے نمک اٹھایا سروجنی نے نعرہ بلند کیا 'ہمارا نجات دہندہ زندہ باد' اس کے ساتھ ہی ہزاروں عورتیں اپنے اپنے برتن لیکر سمندر میں اتر گئیں۔ پولس نے گرفتاریاں شروع کردیں۔ گاندھی جی کو گرفتار کرلیا گیا۔

سروجنی ان سے ملنے جیل گئیں تو انہیں ہدایت ملی۔ عباس طیب جی کی گرفتاری کے بعد تحریک کی قیادت وہ سنبھالیں وہ فوراً دھرسانا گئیں اور ایک انبوہ کثیر کی قیادت سنبھالیں۔ سروجنی کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ پورے ہندوستان میں گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ۱۹۳۱ء کے آغاز میں عیسائی وائسرائے نے لارڈارون اور مہاتما گاندھی کے درمیان دوستانہ تعلقات بڑھے تو تبدیلی کی صورت نظر آئی۔ سروجنی مہاتما گاندھی اور دوسرے لوگوں کے ساتھ گول میز کانفرنس کے لئے

روانہ ہوئیں۔ اس کانفرنس کے بعد انہوں نے یورپ کا دورہ کیا۔ اس کانفرنس کی ناکامی کے بعد جب ملک کے رہنما ہندوستان واپس آئے تو ایک بار پھر زور وشور سے گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ سروجنی کو بھی گرفتار کرلیا گیا۔ ۱۹۳۴ء میں جب کانگریس نے ہندوستان چھوڑو قرارداد پاس کی تو دھڑادھڑ گرفتاریاں شروع ہوگئیں۔ سروجنی کو مہاتما گاندھی اور بہت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ آغاخاں پیلیس میں قید کردیا گیا۔

چھ مہینے بعد گاندھی جی نے برت رکھنے کا فیصلہ کیا۔ مجاہدینِ آزادی کے اس محدود حلقے کو یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں مہاتما گاندھی اپنی اس مہم میں جاں بحق نہ ہوجائیں۔ چوتھے دن گاندھی جی کو متلی شروع ہوگئی۔ ۲۱ر فروری کو ایک نازک صورت حال پیدا ہوگئی لیکن اس پر قابو پالیا گیا۔ برت ختم ہوا تو سروجنی کافی مایوس دکھائی دے رہی تھیں۔ سنترے کے رس کے پہلے گھونٹ کی رسم کے وقت تشریف لائیں۔

۲۱ر مارچ ۱۹۴۲ء کو سروجنی پر ملیریا کا شدید حملہ ہوا۔ انہیں اسٹریچر پر ڈال کر محل کی جیل سے باہر لایا گیا۔ ان کی جدائی، ساتھیوں پر بے حد شاق گزری۔ ۲ر مئی کو ناسازیٔ طبیعت کی بنیاد پر مہاتما کو رہا کردیا۔ آزادی کی لڑائی رفتہ رفتہ اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی۔ آزادی ملنے سے پہلے کے چند لمحے زیادہ امید افزا تھے اور جدوجہد کے آخری چند برس بھی اس کی بشارت دیتے رہے تھے۔

دن گزرتے رہے اور سروجنی نائڈو ایک منظر سے نکل کر دوسرے منظر میں داخل ہوتی گئیں۔ آخر ہندوستان کی آزادی آپہنچی۔ مارچ ۱۹۴۷ء میں یعنی ہندوستان کے آزاد ہونے سے چھے مہینے قبل انہیں دعوت دی گئی کہ وہ ایشیائی روابط کانفرنس کی صدارت قبول کریں۔ صدر کی حیثیت سے سروجنی کو ہندوستانی وفد کا لیڈر بھی ہونا تھا۔ اس کانفرنس کا مکمل اجلاس ۲۳ر مارچ کو دہلی کے پرانے قلعہ میں ہوا۔ کانفرنس کی صدر سروجنی نائیڈو ان کی قیادت کررہی تھیں۔ نہرو نے اس کانفرنس کا افتتاح کیا۔

ہندوستان کی آزادی کے بعد سروجنی کو اتر پردیش کا گورنر بنادیا گیا۔ لکھنؤ کا گورنمنٹ ہاؤس تہذیبی دلچسپی، تفریحات اور بین الاقوامی اجتماعات کا مرکز بن گیا۔ فراخ دل اور محبوب میزبان سروجنی نائیڈو اپنے خوبصورت اور نہایت آراستہ مکان میں شاندار مہمان نوازی کا مظاہرہ کرکے آنے والے گورنروں کے لئے ایک مثال قائم کی۔

جنوری ۱۹۴۸ء میں گاندھی کا قتل ہوا تو سروجنی سراسیمہ اور دل شکستہ دہلی پہنچیں۔ ان کی آنکھ سے آنسو تک نہیں ٹپکے لیکن ان کے چہرے پر غم کی لکیریں پڑی ہوئیں تھیں۔ انہوں نے کہا، یہ سب رونا دھونا کیا ہے؟ کیا آپ چاہتے تھے کہ وہ ایک معذور بوڑھے کی موت مرتے یا پیٹ کے کسی موذی مرض میں ان کا انتقال ہوتا۔ ان کے شایان شان ایک عظیم موت صرف یہی ہو سکتی تھی۔ گلا پھاڑ پھاڑ کر نجی سوگ کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، چھاتیاں پیٹنے اور بال نوچنے کے دن بھی اب نہیں رہے، اب وقت آگیا ہے کہ ہم کھڑے ہو کر ان لوگوں کو للکاریں جنہوں نے مہاتما گاندھی کی نافرمانی کی ہے۔

گاندھی جی آخری رسومات کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ گاندھی کی راکھ کا ایک برتن الہ آباد کے سنگم کی نذر کیا گیا۔ ترو پتی سنگم پر ملک کے ممتاز رہنماؤں نے گاندھی جی کو آخری خراج عقیدت پیش کیا۔ اس کی تیاری کے لئے سروجنی پہلے ہی دہلی سے روانہ ہو گئیں۔ ۱۲ر فروری کو گاندھی جی کی استھیاں لانے والی ٹرین کا سواگت کیا۔ سنگم کے لئے ایک لمبے جلوس کی روانگی شروع ہوئی۔ سڑک کے دونوں طرف بیس لاکھ مرد عورت قطار باندھے کھڑے تھے۔ سروجنی اور دوسرے رہنما بطخ نما کشتی میں بیٹھ کر استھی، کلش کے ساتھ سنگم کی سمت چلے۔ گاندھی جی کی استھیاں سنگم کی نذر کی گئی۔

سروجنی کی خود اپنی صحت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ گاندھی کی موت کا غم اور بے پناہ مصروفیت کا بار ان کو بے حد خراب صحت پر نمایاں طور پر اثر انداز تھا۔ امرناتھ جھا کو اپنا یہ راز بتایا کہ اختلاج قلب اور بی۔پی کی مریض ہیں ان کی ٹانگ میں زخم ہے۔ ۱۳ر فروری ۱۹۴۹ء کو وہ ستر برس کی ہو گئیں۔ اور اس کے اگلے روز ہی بیمار پڑیں۔ پھر بھی دہلی کے سفر پر اصرار کیا، راستہ میں ان کے سر کو چوٹ آگئی لیکن وہ

اپنی تمام مصروفیت پوری کرنے کا پختہ ارادہ کئے ہوئے تھیں۔ وہ چار دن بعد اس حالت میں لکھنؤ پہنچیں کہ سر میں شدید درد تھا اور دوران خون تیز تھا، سانس کی تکلیف ہو گئی۔ ۱۸ر فروری کو ان کے آکسیجن لگا دیا گیا۔ یکم مارچ ۱۹۴۹ء کی شب انہوں نے اپنی نرس سے کوئی گیت گا کر سنانے کی فرمائش کی اور گانا سنتے ہوئے یہ آخری لفظ کہتے ہوئے سو گئیں 'میں نہیں چاہتی کہ مجھ سے کوئی بات کرے'۔ ۲ر مارچ رات ساڑھے تین بجے ان کا انتقال ہو گیا۔

گورنمنٹ ہاؤس پر بھیڑ جمع ہو گئی۔ سوا چار بجے شام ان کی ارتھی کا جلوس روانہ ہوا۔ ان کا جسد خاکی ترنگے میں لپٹا ہوا تھا۔ پنڈت نہرو اور ان کے ساتھیوں نے مل کر جنازے کو توپ گاڑی پر رکھا۔ بچے جنازے کے چاروں طرف کھڑے ہو گئے۔ اہم سوگواروں میں لیڈی ماؤنٹ بیٹن، ہندوستان کے اکثر رہنما اور بہت سے وزیر شامل تھے۔ گومتی کے اس پار ارتھی اپنی آخری منزل کو پہنچی ان کے بڑے بیٹے جے سریا نے چتا روشن کی۔ راج گوپال اچاری نے ماتمی تقریر کی۔ اس طرح ہندوستان کی اس بے مثال خاتون کی بھرپور زندگی اپنے اختتام کو پہنچی۔ آج بھی دیس اپنی بیٹی کو یاد کرتا ہے جو ایک دلیر عورت تھی، شاعرہ تھی، امن کی پیغامبر، عورتوں کی آزادی کی علم بردار۔ وہ ایک دوست تھی، ایک فلسفی، ایک رہنما اور آزادی کی امن پسند سپاہی۔ ان کی زندگی میں ہی انہیں اعزاز بخشا گیا۔ ان کی خدمات کے سلسلے میں انہیں ان کی ابتدائی عمر میں ہی 'قیصر ہند' کا میڈل مل چکا تھا جو انہوں نے برٹش حکومت کو واپس کر دیا۔ رائل سوسائٹی آف لٹریچر کے فیلو کے اعزاز سے نوازی گئی تھیں۔ مدراس، کلکتہ اور کراچی جیسے شہروں کی خصوصی شہریت سے سرفراز کیا گیا۔ الہ آباد یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری عطا کی۔ اس طرح کے اور بھی اعزاز ان کو ملے۔

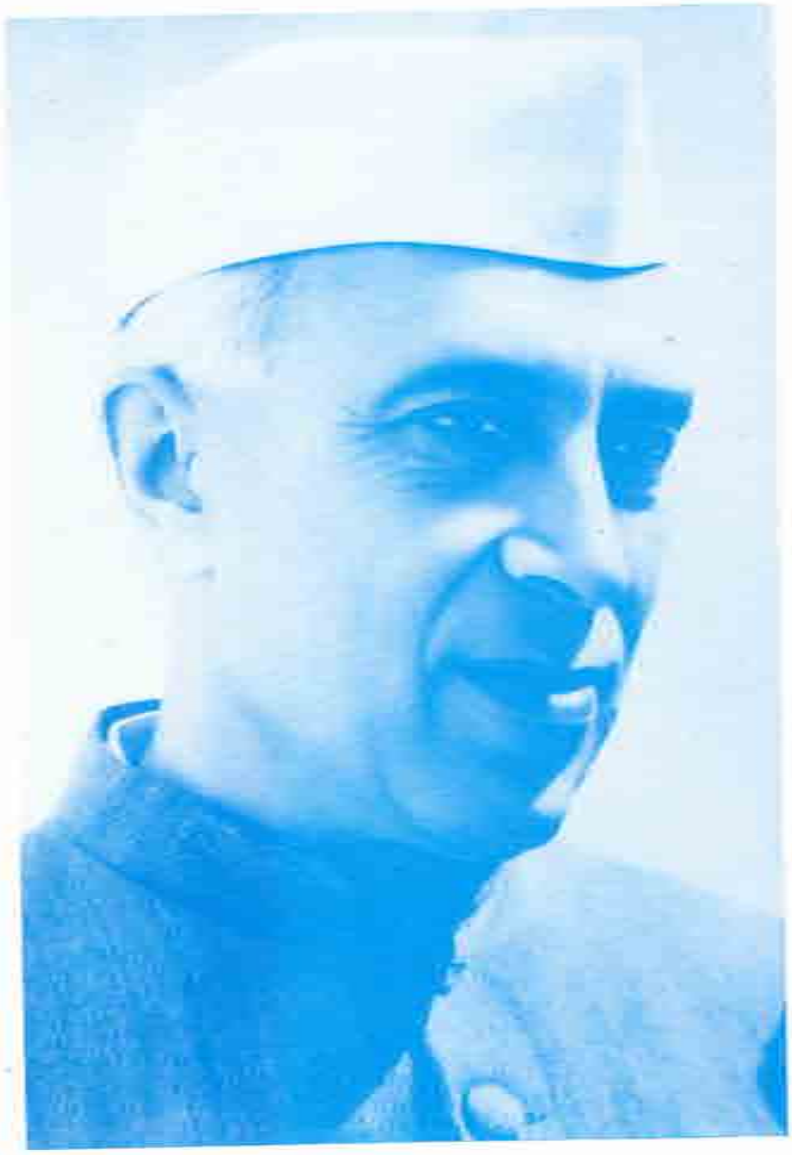

پنڈت جواہر لال نہرو